کتابتِ حدیث

یعنی

حدیثوں کی ترتیب و تدوین کی تاریخ پر

ایک مختصر اور جامع مقالہ

از

مولانا الحاج سیّد منّت اللہ صاحب رحمانی

سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

قیمت مجلد ——————

طبع دوم

محرم الحرام ۱۳۷۸ھ —————— جولائی ۱۹۵۸ء

مطبوعہ

الجمعیۃ پریس دھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد میں نے رسالہ "کتابتِ حدیث" کو متعدد اور اکثر مقامات سے دیکھا حضرت مولف جناب مولانا منت اللہ صاحب (بلغہ اللہ تعالے اعلی اقصی ما یتمناہ ورزقہ القبول الرضا) نے جس عرق ریزی اور جدّ وجہد سے اس رسالہ میں مضامین عالیہ اور افادات نادرہ کو جمع کیا ہے وہ مستوجب صد شکر و ثنا ہے۔

حضرت مولف موصوف نے بہت سے صحیح اور عمدہ مضامین وہ درج فرمائے ہیں جن سے بہت سے علماء زمانہ ناواقف ہیں۔ ان مضامین کاملہ نے ہمارے علوم میں بہت سا اضافہ کیا ہے۔ یہ رسالہ یقیناً اس قابل ہے کہ نہ صرف طلباء دینیات بلکہ علماء کاملین بھی اس کو سرمۂ چشم بنائیں اور اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات کا استفادہ کریں۔ حضرت مولف سلمہ اللہ تعالے نے اس رسالہ کو تالیف فرما کر اہلِ علوم دینیہ اور امتِ مرحومہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین آمین۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۷، جمادی الاول ۱۳۷۰ھ

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ ارجوزہ وجیزہ یا رسالہ مختصرہ جو اس وقت آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہے ناقابل تردید شہادتوں کی روشنی میں مخدوم زادہ آفاق برادر عزیز محترم حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی سجادہ آرا خانقاہ رحمانیہ نے اس میں یہ دکھایا ہے کہ صحاح ستہ کی تدوین سے پہلے بھی ہر قرن اور ہر دار میں علاقہ تعامل و توارث اور روایت کی مستقل راہوں کے کتابت کے ذریعہ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اگلی نسلوں سے پچھلی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی ہیں۔ مولٰنا سلمہٗ تعالیٰ دامت برورحمۃٗ نے اس سلسلہ کے منتشر معلومات کو بڑے سلیقہ کے ساتھ اس رسالہ میں جمع کر کے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ دینی قیود سے نکل بھاگنے کی نئی راہ فتنۂ انکار حدیث کے ذریعہ جو اس زمانہ میں کھولی گئی ہے۔ اس پر مولانا نے ایک ایسا آہنی دروازہ چڑھا دیا ہے کہ شاید اس کے کھولنے کی جرأت فتنہ پردازوں میں آئندہ پیدا نہ ہو گی۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آئندہ بھی مولانا ممدوح کا قلم اسی نوعیت کے سنجیدہ ٹھوس علمی خدمات سے امت مرحومہ کی دستگیری کرتا رہے گا۔ اور اپنے پدر بزرگوار بانی ندوۃ العلماء قدوۃ الانام السید الامام مولٰنا شاہ محمد علی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی قائم کی ہوئی خانقاہ رحمانیہ کی یہ خصوصیت کہ باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر اور روح کے ساتھ ساتھ اسلام کے جسم پر بھی ہمیشہ نظر رکھی گئی، مولٰنا منت اللہ اپنی اس موروثی خصوصیت کو انشاء اللہ صرف باقی ہی نہیں رکھیں گے بلکہ زیادہ سے زیادہ اجاگر کرتے چلے جائیں گے۔ واللہ ولی الامر والتوفیق۔

مناظر احسن گیلانی
۲ جنوری ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے ایک رفیقِ قدیم مولوی اشفاق حسین صاحب مظفرپوری نے چند سوالات لکھ کر بھیجے تھے جس میں سے ایک کا تعلق فنِ حدیث سے تھا۔ موصوف کی گفتگو کسی منکرِ حدیث سے ہوئی تھی۔ اسی گفتگو سے متاثر ہو کر انھوں نے استفسار کیا، سوال کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث کی کتابت نہیں ہوئی۔ نہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھوائیں۔ اور نہ صحابۂ کرامؓ نے قلمبند کیں۔ بلکہ حدیثوں کے قلمبند کرنے کا خیال ڈیڑھ صدی کے بعد پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ احادیث کے براہ راست سننے والے صحابۂ کرامؓ بھی اٹھ چکے تھے۔ اور ان میں سے ایک بھی موجود نہ تھا۔ اس کے علاوہ حدیث کی کتابت کو خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع بھی فرما دیا تھا، اس لئے بھی صحابۂ کرام نے احادیث کو قلمبند کرنے سے پرہیز کیا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں سینکڑوں برس بعد جب حدیث کی کتابیں عالمِ وجود میں آئیں تو اُن پر کس طرح اعتبار کر لیا جائے، وہ کتابیں تو محض سُنی سنائی باتوں کا مجموعہ ہیں۔ اس لئے اُن کو قابلِ اعتماد سمجھنا کسی طرح درست نہیں۔

یہی سوال زیرِ نظر مقالہ کا محرک ہے، مقالہ میں منکرینِ حدیث کے تمام سوالوں سے بحث نہیں کی گئی ہے اور نہ فنِ حدیث کے لائقِ حجت اور قابلِ اعتماد ہونے کے سارے دلائل بیان کئے گئے ہیں، بلکہ صرف ان ہی باتوں سے بحث کی گئی ہے جن کا ذکر سوال میں ہے۔

ضمنی طریقہ پر ان حضرات کے مختصر حالات اور ان کتابوں کا مختصر تعارف حاشیہ پر کرایا گیا ہے جن کا ذکر اس مقالہ میں آیا ہے اور یہ اس لئے کیا گیا کہ مقالہ میں حدیث کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی اہمیت واضح ہو سکے۔ اور کتابوں کے مُصنّفین کا حال سامنے رکھ کر اُن کی تصنیف پر رائے قائم کی جا سکے، اور ناظرین اندازہ کر سکیں کہ فنِ حدیث جن لوگوں کے ہاتھوں ترتیب پایا ہے، یا علمِ حدیث کی کتابیں جن لوگوں نے ترتیب دی ہیں اُن کا مقام، علم و فضل، تقویٰ اور دیانت میں کس قدر اونچا ہے، اور پھر اُن کے ہمعصروں نے اُن کے متعلق کن خیالات اور جذبات کا اظہار کیا ہے، اِس لئے کہ ایک انسان کے کمال کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ معاصرین بھی اس کے فضل کا اعتراف کریں۔

اسی طرح مقالہ میں جن صحابۂ کرامؓ یا تابعین وغیرہ کی روایتوں سے استشہاد کیا گیا ہے ان کے مختصر حالات بھی حاشیہ پر لکھ دئے گئے ہیں تاکہ یہ محسوس ہو سکے کہ یہ روایتیں اور بیانات ایسے لوگوں کے نہیں ہیں، جنھیں آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ اُن میں سے ہر شخص اسلامی تاریخ میں اپنی جگہ رکھتا ہے اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو تاریخ اسلام سے ایک اہم اور قیمتی صفحہ علیٰحدہ ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ ان حضرات کے مختصر حالات حاشیہ پر لکھنے سے میرا ایک اہم مقصد ناظرین کے ذہن کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ جن حضرات کی روایتوں اور بیانات کے مجموعہ کا نام فنِ حدیث ہے ان کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ آج بھی موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھے اور یہ فیصلہ کرے کہ ایسے باکمال اصحاب کے بیانات اور روایتیں قابلِ اعتماد ہیں یا نہیں جب کہ ہم روزانہ زندگی کے تمام معاملات میں کسی ایک شخص کی خبر اور بیان پر اہم سے اہم فیصلے اور اقدامات کرتے ہیں۔ اِن میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کی زندگی مجہول ہے

ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جن کے حالات کا ہمیں علم ہوتا ہے، مگر بہت تھوڑا۔ اور انگلیوں پر گنے جانے والے ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں، جن کی دیانت اور صداقت کے ہم معترف ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کے بیانات اور روایتوں کو جن کی صداقت در استبازی اور فضل وکمال، معاصرین اور معاندین کے نزدیک بھی مسلّم ہے، صرف یہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے کہ یہ خبر آحاد ہے اور یہ صرف ایک شخص کا بیان ہے، جس پر کسی فیصلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی،

بہرحال یہ مقالہ ہدیۂ ناظرین ہے، اور حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے رسول سے سچی محبّت دے۔ اور ہمیشہ اُن کے دامن سے وابستہ رکھے کہ محمد رسول اللہ کا دامن چھوڑ دینے کے بعد انسان کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہ

خانقاہِ مونگیر

منت اللہ رحمانی

۱۶ نومبر ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امابعد :۔ علم حدیث کچھ عرصہ سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں موضوعِ بحث بنا ہوا ہے جہاں تک میں نے سمجھا ہے منکرینِ حدیث میں متعدد قسم کے لوگ شریک ہیں۔ کچھ حضرات تو وہ ہیں جنھیں رسول کی ضرورت اور منصب رسالت کی اہمیت کا احساس بھی نہیں، نہ انھیں اس ناگزیر تعلق اور رشتہ کی خبر ہے، جو ایک اُمّتی کو اپنے رسول سے ہوتا ہے یا ہونا چاہئے، اس لئے ان حضرات کے خیال میں تو رسول کے حالات و واقعات، پند و نصائح، فیصلے اور فتوے، تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم کا موجود رہنا یا نہ رہنا برابر ہے، ان کے خیال میں تو اگر رسول کی زندگی کا ایک حرف بھی ہمارے پاس نہ ہو تو ہمارے اسلام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان حضرات نے تو رسول کی رسالت کو وقتی، اور اس کی زندگی کو مابعد کی نسلوں کے لئے غیر مؤثر بنا کر اپنے آپ کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کر لیا ہے، اور کھانا کتاب اللہ کا نعرہ لگا کر اسلام کا ایسا تصور اور مسلمانوں کا ایسا ڈھانچہ تیار کیا ہے جس کا سُراغ نہ کتاب اللہ میں ملتا ہے نہ قرونِ اولیٰ کی تاریخ میں۔

دوسرا گروہ وہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو وقتی اور آپ کی زندگی کے حالات واقعات کو غیر مؤثر کہتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات اور احکام مُسلمانوں تک پہنچے ہیں ان کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے ناقابلِ اعتبار قرار دینا چاہتا ہے، فنِ حدیث اور حدیث کی موجودہ کتابوں کو اعتراضات کے ذریعہ اس قدر مجروح کر دینا چاہتا ہے کہ یہ فن اور اُسکی موجودہ کتابیں لائقِ استناد ہی باقی نہ رہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر حدیث کا فن لائقِ اعتبار نہ رہے اور حدیث کی کتابیں، جھوٹے قصّوں اور من گھڑت کہانیوں کا مجموعہ قرار دیدی جائیں تو عملی طور پر نتیجہ وہی نکلے گا جو پہلے گروہ نے نکالا تھا یعنی رسول کی رسالت اگرچہ وقتی نہیں، بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، مابعد کی نسلوں پر بھی وہی اثر ڈالتی ہے جو اس نے رسول کے زمانہ کے لوگوں پر ڈالا۔ اور آج ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم اسی طرح واجب الاتباع ہے جس طرح صحابہ کرامؓ کے لئے تھا۔ لیکن چونکہ آپ کے حالات واحکام ہم تک صحیح طریقہ پر نہیں پہنچے ہیں، اور جو کچھ بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ وہ رطب ویابس کا ایسا مجموعہ ہے جس کی حیثیت قصہ اور کہانی سے زیادہ نہیں اس لئے ہمارے پاس نبی کے احکام اور رسول کا اسوہ ہے کہاں؟ جس پر عمل کریں۔ اور جس کی رہنمائی میں اپنی زندگی کے مسائل کو حل کریں۔ اس لئے ہر مسلمان آزاد ہے اللہ نے اپنی کتاب بھیج دی اور سمجھنے کے لئے عقل دے دی۔ کتاب اللہ اور عقل کے درمیان، کتاب کی تعلیم دینے والے رسول کی زندگی تھی، وہ اتفاق سے صحیح طریقہ پر ہم تک پہنچ نہ سکی۔ اس لئے جو عقل میں آئے وہ کہو اور جو دل چاہے وہ کرو۔

خلاصہ یہ کہ تھوڑے چکر کے بعد سہی مگر دوسرا گروہ بھی عملاً اسی جگہ پہونچا جہاں وہ پہلا گروہ پہنچا تھا۔ گمراہی بہرحال گمراہی ہے، خواہ وہ سیدھے راستہ سے آئے یا چکر کاٹ کر آئے۔ اس مقالہ کا تعلق پہلے گروہ سے نہیں بلکہ دوسرے گروہ سے ہے جس کے خیال میں ہر چیز کی صحت کے لئے تحریر و کتابت ضروری ہے اور کسی چیز کے غلط ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ مکتوب اور تحریر شدہ نہیں۔

بہرحال مجھ سے پوچھا گیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو صرف قرآن مجید کی کتابت ہوئی۔ اور چونکہ حدیث کی کتابت کو خود حضرت رسالت مآبؐ نے منع فرمایا، اس لئے حدیث کا سرمایہ قید کتابت میں نہ آسکا صرف زبانی روایتوں پر مدار رہا۔ جب صورتِ حال یہ تھی تو ظاہر ہے کہ صرف سُنی سنائی باتوں سے کتابیں مرتب کر دی گئی ہوں گی اس لئے محدثین اپنی کتابوں میں بعض حدیثوں کو صحیح اور بعض کو ضعیف کہتے ہیں، تو جن کتابوں کا مدار رطب ویابس کے ذخیرہ پر ہو اور جس میں صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی حدیثیں ہوں، ایسی کتابیں کیونکر لائق اعتبار اور قابلِ استناد

سمجھی جا سکتی ہیں۔

اس قسم کی باتیں یہی لوگ کہہ سکتے ہیں جنھوں نے حدیث کی تاریخ کا مطالعہ ہی نہیں کیا اور تدوین حدیث کے موضوع تک سے ناآشنا ہیں۔ کم از کم وہ رسائل و مضامین ہی اگر دیکھ لئے جائیں جو تدوین حدیث پر اُردو زبان میں شائع ہو چکے ہیں، تو نہ پھر ایسی بات کہی جاتے، اور نہ اس قسم کی رائے قائم کی جائے۔

یہ ایک تاریخی جھوٹ ہے کہ حدیث کی کتابت رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں نہیں ہوئی، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احادیث کو قلمبند فرمایا۔ بلکہ صرف حافظہ میں محفوظ رکھا۔ اور یہ ممکن بھی نہ تھا۔ کیوں کہ خود حضرت رسالتمآب صلعم احادیث کے نشر و اشاعت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔ تو پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ صحابہ کرام اس کے پھیلانے اور دوسروں تک پہونچانے کا ہر ممکن ذریعہ اختیار نہ فرماتے۔

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں کو میری حدیثیں پہونچا دیں۔

الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل من یبلغہ ان یکون اوعیٰ لہ من بعض سمعہ (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ 57)	لازم ہے کہ حاضر غائب کو پہونچا دے اسلئے کہ بعض وہ لوگ جن تک (میرا کلام) پہونچایا جائے، ہو سکتا ہے وہاں لوگوں سے اس "حدیث" کے زیادہ محافظ ہوں جنھوں نے مجھ سے سنا ہے۔

احادیث کی نشر و اشاعت کی خاطر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی باتوں کو صحابہ کرامؓ کے سامنے دو دو اور تین تین بار ارشاد فرماتے، تاکہ صحابہ کرامؓ کے ذہن نشین ہو جائے۔ اور انھیں اس کی اشاعت اور نقل میں سہولت ہو

عن انسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا	حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم

تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثاً حتی تفھم عنہ (بخاری[1] جلد ۱ صفحہ ۱۸ باب من اعاد الحدیث ثلثاً لیفھم عنہ)	جب کچھ بیان فرماتے تو ایک حکم کو تین دفعہ دُہراتے یہاں تک کہ سمجھ میں آجائے۔

امام بخاری رح نے حضرت ابن عباس رض کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد عبد القیس آیا تو آپ نے اس کے سامنے نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا۔

احفظوہ واخبروا من وراءکم	اسے یاد کرلو، اور جنھیں پیچھے چھوڑ کر آتے ہو اُن کو اس کی خبر کردو۔

---

[1] اس کتاب کا اصل نام ہے الجامع الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ ، اس کے جامع شیخ الاسلام الحافظ، امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد ابن اسمٰعیل البخاری رح ہیں۔ امام بخاری کی ولادت روز جمعہ ماہ شوال ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ امام بخاری رح کو بچپن ہی سے حدیث کے ساتھ ایک تعلق تھا ۲۰۵ھ سے سماعت حدیث شروع کی، اور بچپن ہی میں حضرت عبد اللہ بن مبارک رح کی تصانیف کو حفظ کرلیا پرورش یتیمی میں پائی۔ بخارا میں محمد بن سلام رح وغیرہ سے بلخ میں مکی بن ابراہیم رض سے بغداد میں عفان رح سے مکہ مکرمہ میں المقری رح بصرہ میں ابو عاصم رح سے کوفہ میں عبید اللہ بن موسیٰ رح شام میں ابی المغیرہ رح عسقلان میں آدم رح حمص میں ابو الیمان رح دمشق میں ابو مسہر رح سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر گئے اور حدیث کی سماعت کی۔ خود امام بخاری رح کا بیان ہے کہ یہ کتاب چھ لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے اور سولہ سال میں یہ خدمت انجام کو پہنچی، یہ بھی ان ہی کا بیان ہے کہ ہر حدیث درج کتاب کرنے سے پہلے میں نے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، اس التزام کے ساتھ ہر ایک حدیث کو لکھا ہے ——— (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے واسطے دعا فرمائی جو حدیث کو سنیں اور اچھی طرح یاد کر لیں۔ اور پھر بعینہٖ دوسروں تک پہنچا دیں۔

نضّر اللہ عبداً سمع مقالتی — اللہ تعالیٰ اس بندہ کو خوش رکھے جس نے میری باتوں
فحفظها ووعاها واداها — کو سُنا اور یاد کر کے محفوظ رکھا اور جس طرح سُنا تھا
کما سمع (مشکوۃ المصابیح ص۳۵) — اسی طرح دوسروں کے سامنے ادا کر دیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اور اس کتاب کے مسودہ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور منبر کے درمیان بیٹھ کر صاف کیا ہے اور میں نے اس میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی درج نہیں کی جس کی صحت پر مجھے کو پورا بھروسہ نہ ہوا اور پھر فرماتے ہیں جعلتہ حجۃ فی ما بینی وبین اللہ۔ میں نے اس کتاب کو اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان حجت بنایا ہے (الحطہ) یہ اپنی نوعیت کی دنیا میں سب سے پہلی تصنیف ہے، جو فن حدیث میں کی گئی۔ امام بخاری نے جن شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی کتاب میں حدیث کا تخراج کیا ہے۔ وہ روایت کی قوت اور حدیث کی صحت کے معیار کو اونچا کر دیتے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ واما رجحانہ من حیث الاتصال فلاشتراطہ ان یکون الراوی قد ثبت لہ لقاء من روی عنہ ولو مرۃ واکتفی مسلم بمطلق المعاصرۃ ——— یہ اور اسی قسم کے مختلف امتیازات اور خصوصیات کے باعث جمہور علماء کا فیصلہ ہے جس کو امام نووی اس طرح لکھتے ہیں، کہ اتفق العلماء علی ان اصح الکتب بعد القرآن الکریم الصحیحان صحیح البخاری وصحیح مسلم ——— تمام علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہے۔

صحیح بخاری کو براہ راست امام بخاریؒ سے نوے ہزار اشخاص نے پڑھا، سُنا اور املا کیا۔ اور اس وقت سے آج تک ہر دور میں اس کے پڑھنے اور سماعت و روایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ بڑھتی رہی۔ اور آج بھی اس کے پڑھنے والوں اور راویوں کی تعداد عالم اسلامی میں لاکھوں سے کم نہ ہوگی۔ اور راقم الحروف کو بھی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳ پر)

ہر وہ شخص جو صحابۂ کرامؓ کے حالات سے باخبر ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ترغیبات اور تاکیدی احکام کے بعد احادیث کی اشاعت اور حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت میں سہولت کی خاطر حدیث کے لکھنے کا بھی حکم فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کو مقیّد کر لو، حضرت عبد اللہ نے عرض کیا کہ مقیّد کرنے کا کیا مطلب ہے۔ ارشاد ہوا کہ لکھنا۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) صحیح بخاری کی سماعت و اجازت کا شرف شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ سے حاصل ہے ــــ امام بخاریؒ نے محض فنِ حدیث کی عزت اور حرمت کی خاطر جلاوطنی اختیار کی۔ اور ایک گاؤں خرتنگ میں ۲۵۶ھ میں وصال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲ (بستان المحدثین)

[1] امام محی السنہ ابو محمد الحسین البغوی نے حدیث میں ایک کتاب مصابیح لکھی تھی، لیکن انھوں نے حدیث کا صرف متن لکھدیا۔ نہ کتاب کا حوالہ دیا۔ نہ راوی کا نام لکھا۔ اور نہ ابواب و فصول قائم کیں، اس لئے اس سے استفادہ مشکل تھا۔ شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزیؒ نے اسی مصابیح کے نہج پر مشکوٰۃ لکھی۔ اس میں ابواب و فصول بھی فقہی طریقہ پر مرتب کئے۔ اور ہر ایک حدیث کو اسی مقام پر اور اسی باب و فصل میں درج کیا جس کے وہ مناسب تھی۔ ساتھ ہی ہر ایک حدیث کے اصل راوی کا نام اور جس کتاب سے وہ حدیث لی گئی ہے اس کا نام بھی لکھدیا جس کے بعد پورے سلسلہ رواۃ کو بیان کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ کیونکہ ماخذ میں ان راویوں کا نام موجود ہے اسی لئے صاحب مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ وانّی اذا نسبت الحدیث الیھم کانی اسندت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانھم قد فرغوا عنہ واغنونا عنہ۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴ پر)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے حدیثوں کے یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو ارشاد ہوا اپنے ہاتھ سے مدد لو یعنی لکھ لیا کرو۔ (مجمع الزوائد ص۱۵۲)

حضرت جابر[۱] رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ہاتھ سے کام لینے یعنی لکھنے کا حکم دیا۔ (کنز العمال[۲] جلد ۵ ص۲۲۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) مشکوٰۃ اپنے اختصار اور حسن ترتیب کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی۔ اور آج بھی تمام مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔ صاحب مشکوٰۃ اپنے دور کے مشہور مورخ اور زاہد منش تھے اور ۷۳۷ھ میں مشکوٰۃ کی ترتیب سے فراغت پائی۔ رحمتہ اللہ علیہ ——— یہ حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے جامع امام نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی ہیں۔ اس کتاب میں مسند امام احمد بن حنبلؒ مسند امام بزار مسند ابی یعلیٰ اور معاجم ثلثہ طبرانی سے جرح و تعدیل رواۃ اور صحت و سقم احادیث کے ساتھ ان حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ صاحب اتحاف النبلاء نے لکھا ہے کہ "سرمایہ تحقیق احادیث برائے متاخرین اہل حدیث ہمیں کتاب است" امام نورالدینؒ کا وصال ۸۰۷ھ میں ہوا۔

---

[۱] جابر بن عبداللہ الانصاریؓ مشہور صحابی ہیں۔ ابوعبداللہ کنیت تھی، غزوہ خندق اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے واسطے لیلۃ البعیر میں ۲۵ مرتبہ دعائے مغفرت کی بہت بڑے فقیہ تھے۔ اپنے زمانے میں مدینہ منورہ کے مفتی رہے۔ ۹۴ برس عمر پائی ۷۴ھ میں وفات ہوئی۔ رضی اللہ عنہ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۳۷)

[۲] شیخ عبدالرحمٰن السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے حدیث میں ایک کتاب جمع الجوامع کے نام سے لکھی تھی جس میں انھوں نے اپنے خیال میں تمام احادیث کا احاطہ کرنا چاہا تھا۔ اس لئے کتاب ضخیم اور کچھ اس انداز کی ہو گئی کہ اس سے استفادہ مشکل تھا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر)

جس حدیث کی اشاعت وتعلیم کے لئے دربار رسالت سے اسقدر ترغیب اور تاکید کی جاتی ہو اور جس کی کتابت کا صاف اور کھلا حکم دیا گیا ہو۔ تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ شمع نبوت کے پروانے اس سے غفلت کرتے، اور اس کی اشاعت وحفاظت میں اپنی امکانی کوشش نہ صرف کرتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی حفاظت واشاعت کے لئے ہر وہ ممکن طریقہ اختیار کیا جو ایک انسانی طاقت کرسکتی ہے۔ اور جس سے زیادہ کرنا کم از کم اُس دور میں ممکن نہ تھا۔

صحابۂ کرامؓ اگر حدیث کی حفاظت کا مدار حافظہ کی قوت پر رکھتے تو یہی کافی تھا کیونکہ عرب کا حافظہ ضرب المثل تھا جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم آج تک پیش نہیں کرسکی اور صحابۂ کرامؓ ومحدثین رحمہم اللہ کی قوت یادداشت کے متعلق ایسے ایسے واقعات مستند کتابوں میں موجود ہیں، کہ خراب صحت اور کمزور حافظہ والی موجودہ دنیا ان واقعات پر شاید یقین بھی نہ کرے۔ لیکن اس کے باوجود صحابۂ کرامؓ نے احادیث کو خود قلمبند کیا۔ اور کتابت حدیث کے لئے وصیتیں کیں حضرت انسؓ نے اپنے بچوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ یا بنیّ قیّدوا ھذا العلم ــــــ اے میرے بچو اس علم کو لکھ لو۔ (دارمی ص۶۸)

بہر حال یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، کہ حدیث کا بہت بڑا حصہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابۂ کرام کے ہاتھوں مرتب ہوچکا تھا۔ اور حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) اس لئے علامہ علاؤ الدین علی الھندی نے جو علی متقی کے نام سے مشہور ہیں۔ جمع الجوامع کی ازسر نو ترتیب کی۔ اور اپنی مرتبہ کتاب کا نام کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال رکھا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۶ پر)

کے اس ذخیرہ کو جو خود حدیث کے براہ راست سننے والے صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں قلمبند ہوا۔ اگر جمع کیا جائے، تو اس کی مقدار اُن احادیث سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ جو آج مستند اور مطبوعہ کتابوں میں موجود ہیں جن کو ہم صحاح ستہ کے نام سے جانتے ہیں۔

احادیث کا جو ذخیرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کرامؓ کے عہد میں قلمبند ہوا، اس کے تین حصے کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) احادیث کا وہ ذخیرہ جو خود حضرت رسالتمآب کے حکم سے قلمبند کیا گیا۔

(۲) وہ ذخیرہ جو صحابہ کرامؓ نے قلمبند کیا اور پھر دربارِ رسالت میں بغرض تصحیح پیش کیا اور آپؐ نے سننے کے بعد اس کی تصدیق کی اور توثیق فرمائی۔

(۳) وہ ذخیرہ جو صحابہ کرامؓ نے خود زبان مبارک سے سُن کر یا صحابہؓ سے پوچھ کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا آپؐ کے بعد قلم بند کیا۔ اَب ان تینوں حصّوں کی تھوڑی تھوڑی تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ سَب سے پہلے احادیث کے پہلے اور دوسرے حصّے کو لیجئے۔

عبداللہ[۱] ابن حُکیم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کی ایک تحریر ہمارے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) علی متقی رح کتاب کی ترتیب سے ۹۵۷ھ میں فارغ ہوئے۔ اور ۲ رجمادی الثانی ۹۷۵ھ میں وصال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[۱] عبداللہ بن حکیم الجُہنی ثم الکوفی تابعی ہیں۔ قبیلہ جُہینہ سے ان کا تعلق ہے۔ کوفہ میں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت عائشہؓ سے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۷ پر)

قبیلہ جہنیہ کے پاس پہونچی جس میں مختلف احادیث تھیں۔ اور یہ حدیث بھی تھی، کہ مردار جانوروں کی کھال اور پٹھے بغیر پکائے ہوئے کام میں نہ لاؤ۔ (ترمذی[۱] جلد ۱ صـ۲۰۶)

جناب نبی کریم صلعم نے ایک تحریر لکھوا کر عمر بن حزم کے ذریعہ اہلِ یمن کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) حدیث کی روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن دیکھنا ثابت نہیں۔ حجاج بن یوسف کے دور حکومت میں انتقال ہوا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۳۲۴)

---

[۱] جامع کبیر ترمذی کے مؤلف الامام الحافظ ابو عیسیٰ محمد بن موسیٰ الترمذی ہیں۔ امام ترمذی حدیث کے مشہور حافظ اور ان آئمہ میں ہیں جن کی علم حدیث میں اتباع کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بے نظیر عطا فرمایا تھا تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن ان کی قوت حافظہ کے ایسے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے صرف ایک مرتبہ سُن کر چالیس چالیس حدیثیں یاد ہو جایا کرتی تھیں۔ اور ان کو زبانی دہرا دیا کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ خوفِ خدا سے سالوں گریہ وزاری کرتے رہے یہاں تک کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ ترمذی، امام بخاریؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ امام مسلمؒ و ابوداؤدؒ سے بھی سماعتِ حدیث کی ہے۔ اور طلب علم میں حجاز، خراسان، بصرہ، کوفہ رہے۔ اور واسط وغیرہ کا سفر کیا ہے۔

لوگوں کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ نے علم حفظ۔ اور زہد و تقویٰ میں امام ترمذی جیسا کوئی دوسرا جانشین نہیں چھوڑا۔ خود امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے علاوہ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸ پر)

پاس بھیجی تھی۔ اس تحریر میں فرائض، سنن اور خوں بہا کے متعلق مسائل تھے۔
(شرح معانی الاثار طحاوی[1] جلد ۲ صفحہ ۲۱۷)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مشہور خطبہ جو آپ نے فتح مکہ کے دن
ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ابوشاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) اپنی دوسری کتابوں میں امام ترمذی سے روایت کی ہے۔ جامع کبیر ترمذی صحاح ستہ میں تیسرے نمبر پر شمار کی جاتی ہے۔ بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے لکھا ہے کہ "این جامع بہترین کتب است بلکہ بعضے وجوہ وحیثیات از جمیع کتب حدیث خوب تر واقع شدہ، اول از جہت ترتیب وعدم تکرار دوم ذکر مذاہب فقہا وجوہ استدلال ہر ایک از اہل مذہب۔ سوم بیان انواع حدیث از صحیح وحسن وضعیف وغریب ومعلل بعلل۔ چہارم بیان اسمائے رواۃ والقاب وکنیت ہائے آنہا ودیگر فوائد متعلقہ بعلم رجال"
خود امام ترمذیؒ کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو علمائے عراق، حجاز وخراسان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے بہت زیادہ پسند کیا اور فرمانے لگے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو گویا اس گھر میں رسول ہے جو گفتگو کرتا ہے۔ (اتحاف النبلا صفحہ ۲۹۶)
امام ترمذیؒ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] شرح معانی الاثار کے مصنف امام ابوجعفر احمد بن محمد المصری الطحاوی ہیں، علمائے مصر کے ایک عہد کا نام ہے۔ ۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے، ہارون بن سعید ایلی، (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹ پر)

نے عرض کیا کہ یہ خطبہ میرے لئے لکھوادیا جائے۔ حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ خطبہ ان کو لکھ کر دیا جائے۔ چنانچہ خطبہ لکھا گیا اور حضرت ابو شاہ کے حوالہ کیا گیا۔ (ابوداؤد جلد ثالث باب کتابۃ العلم ص۳۵۷)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دفعہ سُننے کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) یونس بن عبد الاعلیٰ و محمد بن عبد الحکم وغیرہ اور ابن وہبؒ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ ابتداءً شافعی تھے۔ اور امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ابراہیم مزنی کے حلقۂ درس میں شریک تھے۔ ایک مرتبہ امام مزنی کو طحاویؒ پر غصہ آگیا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ "تم غبی ہو، تم سے کچھ نہ ہو سکے گا"۔ طحاویؒ کو ناگوار ہوا، اور ان کا حلقۂ درس چھوڑ کر شیخ ابو جعفر احمد بن عمران حنفی کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے، اور فقہ و حدیث میں پوری مہارت پیدا کی، اور اپنے وقت کے امام شمار کئے گئے۔ جب امام طحاوی نے اپنی کتاب مکمل کر لی، تو کہا کہ اگر امام مزنی زندہ ہوتے تو انھیں اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا۔ ابو یعلیٰ خلیلی نے پوچھا کہ آپ نے امام مزنی کا مذہب کیوں ترک کر دیا۔ جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ امام مزنی کتب حنفی کا مطالعہ بہت زیادہ کرتے تھے۔

امام طحاوی نے خصوصاً فقہ حنفی پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جو ان کے علم و فضل کی آئینہ دار ہیں۔ مصر میں ۳۲۱ھ میں وفات پائی، رحمۃ اللہ علیہ

صحابہ کرام کے ذہن میں خطبہ محفوظ ہو گیا تھا۔ جب ہی تو بے تکلف لکھ کر حوالہ کر دیا گیا۔

حضرت وائل[1] ابن حجر حضر موت کے شہزادوں میں تھے۔ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوتے اور کچھ دنوں خدمت میں حاضر رہے۔ جب گھر واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے سپرد کیا۔ جس میں نماز، روزہ، شراب، سود وغیرہ کے احکام تھے۔ (طبرانی صغیر[2] صـ۲۴۱ و ۲۴۲)۔

---

[1] یمن کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے حضور نے بڑی عزت سے اُتارا۔ ممبر پر خطبہ دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ تو حضرت وائل کو بھی ساتھ ہی ممبر پر جگہ دی۔ اور صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ وائل بن حجر قوم کے سردار ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں تمھارے پاس آتے ہیں۔ آنحضرت نے انھیں جاگیریں دیں اور ایک عہد نامہ لکھوا کر حوالہ کیا۔ یہ عہد نامہ بھی حدیث کا ایک کتابی ثبوت ہے۔

بعد میں حضرت وائل نے کوفہ میں قیام کر لیا تھا۔ آنحضرتؐ سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت معاویہؓ کے عہد ولایت میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صـ۱۰۹) حضرت وائل کی مرویات کی مجموعی تعداد (۷۱) ہے (دنیا دی عزیزی جلد ۲ صـ۵۴)

[2] معجم الصغیر طبرانی اس کے مصنف امام الحافظ ابوالقاسم (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱ پر)

دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو ایک اور صحیفہ لکھوا کر بھیجا تھا جس میں مختلف قسم کے احکام تھے، دارمی کے الفاظ یہ ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اہل الیمن اَن لا یمس القراٰن الا طاہرٌ ولا طلاق قبل ملاک ولا عتاق حتی یبتاع۔ (دارمی[1] صـ۲۹۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی ہیں۔ طبریہ شام کے ایک گاؤں کا نام ہے ۲۶۰ھ ماہ صفر میں پیدا ہوئے، اور تیرہ ۱۳ برس کی عمر سے طلب علم شروع کی۔ اور اس سلسلہ میں شام، حجاز، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصفہان، جزیرہ اور دوسرے علمی مرکزوں کا سفر کیا۔ اور ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے استفادہ کیا۔ امام نسائی کے خاص شاگردوں میں ہیں علم حدیث کی طلب میں بڑی محنتیں کیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ تیس برس تک چٹائی پر سوتے، اور گویا اپنے اوپر آرام حرام کر لیا تھا۔

تین مسندیں لکھیں، اور ان کا نام المعجم الکبیر والصغیر والاوسط رکھا، سند کی ترتیب مرویات صحابہؓ کی بنیاد پر رکھی۔ یہ معجم بیس۲۰ ہزار پانچسو احادیث پر مشتمل ہے، اصفہان میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں ۳۶۰ھ میں وصال ہوا، رحمۃ اللہ علیہ (اتحاف النبلاء صـ۲۵۶)

---

[1] مسند دارمی امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بہرام التمیمی الدارمی کی تصنیف ہے۔ امام دارمی ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ احادیث کے جمع کرنے کے لئے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲ پر)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے کتاب الصدقہ لکھوائی تھی۔ لیکن ابھی وہ بھیجی نہیں گئی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا حادثہ پیش آیا۔ آپ کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوتے تو وہ کتاب عاملوں کے پاس بھیجی گئی۔ کتاب الصدقہ میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مسائل تھے۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۷۹)

احادیث کے ان کتابی ذخیروں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں وہ خطوط، معاہدے، امن نامے اور جاگیروں کے وثیقے ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر اور مہر ثبت کر کے بادشاہوں اور اور قبائل کے رئیسوں کو بھیجے یا مختلف لوگوں کے حوالہ کئے۔

اس قسم کے خطوط و وثائق کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ڈی فل۔ ڈی لٹ پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے جمع کیا ہے۔ اور یہ مجموعۃ الوثائق السیاسیہ کے نام سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے، اور اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ مجموعہ ۲۸۱ خطوط و وثائق پر مشتمل ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) دور دراز ممالک اسلامیہ اور علمی مراکز کا سفر کیا، امام مسلم، امام داؤد، امام ترمذی وغیرہ نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے، کہ خراسان میں حدیث کے چار حافظ ہیں، جن میں سے ایک دارمی ہیں، علامہ ذہبیؒ نے امام دارمی کے متعلق خطیب بغدادی کا بیان نقل کیا ہے کہ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳ پر)

یوں تو اس مجموعہ میں وہ خطوط و وثائق بھی ہیں جو خلفائے راشدین نے لکھے ہیں لیکن مذکورہ بالا تعداد صرف ان خطوط و وثائق اور عہد ناموں کی ہے جن کا تعلق حضرت رسالتمآبؐ سے ہے۔

ان ہی خطوط میں ایک خط وہ بھی ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہِ مصر کو لکھوا کر بھیجا تھا۔ یہ خط مصر کے آثارِ قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہوا۔ اور آج بھی مصر میں موجود ہے۔ یہ پورا برآمد شدہ خط حدیث کی مروجہ کتابوں میں منقول اور مروی ہے جس کا دل چاہے اصل خط کو کتب حدیث کی روایت سے ملا کر دیکھ لے۔ اس کو دونوں کی حیرت انگیز مطابقت پر تعجب ہوگا۔ صرف یہی ایک واقعہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی صحت کا کھلا ہوا ثبوت ہے، اصل خط کا عکس شائع ہوچکا ہے اور اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور مکتوب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) کان احد الحفاظ والرحالین موصوفاً بالثقۃ والورع والزھد ...... وکان علی غایتہ العقل وفی نہایتہ الفضل۔

امام دارمی دیانت علم۔ اجتہاد اور عبادت میں ضرب المثل تھے۔ سمرقند کے قاضی مقرر ہوئے۔ صرف ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا۔ اور استعفاء دے دیا۔ امام احمد بن حنبل نے امام دارمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ مگر انھوں نے قبول نہیں کیا۔ مسند دارمی میں تین ھزار پانچ سو ستاون [۳۵۵۷] احادیث ہیں۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۴ پر)

گرامی کی اصل بھی دستیاب ہو چکی ہے جس کا مخاطب منذر بن ساوی ہے جو کسریٰ کی طرف سے بحرین کا گورنر تھا۔ اصل خط کا عکس مجموعۃ الوثائق السیاسیہ میں موجود ہے۔

حدیث کی روایت کرنے والوں میں ایک مشہور صحابی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں، موجودہ کتب حدیث میں آپ سے ایک ہزار دو سو چھیاسی ۱۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔ اور اس لئے آپ کا شمار ان صحابۂ کرام رضؓ میں ہے، جن سے احادیث کی بڑی تعداد مروی ہے۔

حضرت معبدؒ[۱] بن ہلال کا بیان ہے کہ جب احادیث کے متعلق ہم لوگ حضرت انس رضؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو حضرت انس رضؓ ایک چونگا نکال لاتے اور فرماتے یہ وہ احادیث ہیں جنھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر لکھ لیا ہے اور لکھ کر ان احادیث کو دربارِ رسالت میں پیش کیا ہے اور اس کی تصدیق و توثیق کرالی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) امام دارمیؒ کے وصال کی خبر جب امام بخاریؒ کو ملی تو اِنّا لِلّٰہ پڑھا۔ اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ (بستان ص۳۲ و تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص۱۱۵ و ۱۱۶)

---

[۱] معبد بن ہلال تابعی ہیں حضرت انس بن مالک رضؓ عقبۃ بن عامر رضؓ اور حسن بصری رحؒ سے روایت حدیث کی ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۲۲۵)

اس واقعہ کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ کم از کم حضرت انس رضؓ کی جو مرویات ہیں، انھیں جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و توثیق حاصل ہے، اور وہ زمانۂ نبوت ہی میں قلمبند ہو کر حضورؐ پر پیش کی جا چکی ہیں۔ تو اس سے کون انکار کر سکے گا، اور واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ کی مرویات آپ ہی کے عہد میں مختلف لوگوں کے ہاتھوں قلم بند ہو کر پھیل چکی تھیں۔

ابان[۱] تابعی رحؒ کا بیان ہے کہ ہم حضرت انس رضؓ کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھتے تھے (دارمی ص ۲۵) ظاہر ہے کہ حضرت ابان رحؒ کے لکھے ہوئے نسخہ میں وہ حدیثیں ضرور ہوں گی جن کو حضرت انس رضؓ نے لکھ کر حضورؐ کے سامنے پیش کیا تھا۔

---

[۱] مستدرک حاکم الامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد المعروف بالحاکم النیشاپوری کی تصنیف ہے۔ موصوف ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے طلبِ علم میں مشغول ہو گئے، خراسان ماوراء النہر اور دوسرے اسلامی ملکوں، اور تعلیمی مرکزوں میں جا کر تقریباً دو ہزار شیوخ سے فنِ حدیث حاصل کیا۔ اور دارقطنی، بیہقی، ابویعلیٰ خلیلی وغیرہ کے ایسے اساتذۂ فن نے حاکم سے روایت کی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حاکم کے زمانہ میں چار اصحاب سرگروہ محدثین تھے۔ بغداد میں دارقطنی اصفہان میں ابن مندہ مصر میں عبد الغنی اور نیشاپور میں حاکم اور امام حاکم کو خصوصیت کے ساتھ فنِ تصنیف، و ترتیب کتاب میں امتیاز حاصل تھا۔ مختلف علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں، لیکن فنِ حدیث کا ان پر غلبہ تھا۔ اس لئے اسی فن میں زیادہ شہرت حاصل کی، ابن خلکان نے لکھا ہے، مستدرک میں امام حاکم رحؒ نے شیخین کی شرائط پر احادیث کو جمع کیا ہے۔ اور ایسی حدیثوں کو بھی اس میں (باقی حاشیہ صفحہ ۲۶ پر)

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ احادیث کا معتد بہ اور قابلِ ذکر حصّہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تحریری شکل اختیار کر چکا تھا اور جس کی تعداد یقیناً سیکڑوں سے متجاوز تھی، اور احادیث کا ایک معتد بہ حصّہ وہ تھا جو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قلمبند تو نہ ہُوا لیکن ایک صحابی نے لکھ کر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا اور اس کی تصدیق حاصل کی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اس قسم کے تمام واقعات کا احاطہ کر لیا ہے۔ بلکہ تلاش وجستجو سے ان معلومات میں اور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

اب ذخیرۂ احادیث کے تیسرے حصّہ کو لیجئے۔ جو قول رسول اللہ صلعم کو اپنے کانوں سے سننے والے اور فعل رسول اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے اور احادیث کے اوّلین راوی خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) درج کیا ہے جو اگرچہ صحیحین میں نہیں ہیں۔ مگر شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط پر پوری اترتی ہیں۔ اور ایسی حدیثوں کو بھی اپنی کتاب میں جگہ دی ہے جو اگرچہ شیخین یا کسی ایک کی شرط پر نہیں ہیں۔ مگر حاکم کے نزدیک صحیح ہیں۔ یہ مستدرک چار جلدوں میں ہے —— ان کی وفات کا واقعہ اس طرح ہے کہ غسل کرکے حمام سے باہر نکلے، لُنگی ہی باندھے ہوتے تھے۔ کپڑا بھی بدلنے نہ پائے تھے کہ ایک آہ کھینچی اور رُوح پرواز کر گئی۔ انتقال کے بعد لوگوں نے حاکم کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کس طرح نجات پائی۔ امام حاکم نے جواب دیا، کہ کتابت حدیث میری نجات کا ذریعہ بنی۔ ۴۰۵ھ میں یہ حادثہ پیش آیا۔ رحمتہ اللہ علیہ (بستان ص ۱۱۴ و ۱۵)

قلمبند ہوا کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں احادیث کا جو ذخیرہ قلمبند ہوا۔ اس کی صورت تو یہی ہوگی کہ کسی صحابی نے کسی موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُنی پھر جب کبھی موقعہ ملا تو اس کو لکھ لیا۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا مفہوم و مضمون یاد نہ رہا ہو، اس لئے ایسے ذخیرہ پر کہاں تک بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن یہ خیال بھی ناواقفیت کا ہی نتیجہ ہوگا۔ جو لوگ عربؔ کے حافظہ سے واقف ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کی حیرت میں ڈال دینے والی قوتِ یادداشت سے باخبر ہیں۔ اُن وعیدوں کا جنھیں علم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمائی ہیں جو کسی ایسی حدیث کو حضورؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آپ نے نہیں کہی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی صحابی نے کوئی ایسی حدیث قلم بند کی ہو جس کے حدیث ہونے پر اُسے پورا اعتماد نہ ہو۔ صحابۂ کرامؓ کی خشیتہ اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ سچی محبت اور والہانہ عقیدت اُن کی حق گوئی اور راستبازی، ان کی دیانت اور امانت اس کی اجازت ہی نہیں دے سکتی، وہ کبھی ایسی چیز کو حضورؐ کی طرف منسوب کریں جس کے حدیث ہونے میں انہیں ذرا بھی شبہ ہو۔

اس کے علاوہ صحابۂ کرام زمانۂ نبوت میں حدیثوں کے یاد کرنے اور محفوظ رکھنے کا انفرادی اور اجتماعی طریقہ پر جو اہتمام فرمایا کرتے تھے، وہ اُن کی قلم بند کی ہوئی حدیثوں کی صحت کے لئے خود سب سے بڑی ضمانت ہے۔

حضرت انس[1] رضؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثیں سُنتے رہتے اور جب آپؐ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ پھر آپس میں حدیثوں کا دَور کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں سے ہر ایک شخص ساری حدیثیں بیان کرجاتا۔ اکثر مجلسوں میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ آدمیوں تک ہوتی اور وہ سب باری باری سے بیان کرتے تھے، پھر جب ہم اُٹھتے تو حدیثیں اس طرح محفوظ ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بو دی گئی ہیں۔

(مجمع الزوائد) قال ہیثم ثابتین (لعنہ درس کسیۓ تو جھے

حضرت معاویہ[2] رضؓ کا بیان ہے کہ زمانۂ نبوت میں فرض نمازوں کے بعد صحابۂ کرامؓ مسجد میں بیٹھ جاتے، اور قرآن پاک و احادیث کا مذاکرہ کرتے۔

(مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۹۴)

---

[1] حضرت انسؓ بن مالکؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔ ہجرت سے وفات تک خدمت میں رہے۔ خود فرماتے ہیں۔ مات (صلی اللہ علیہ وسلم) وانا ابن عشرین۔ جب آنحضرتؐ کا وصال ہوا۔ تو میں بیس برس کا تھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کی صحبت میں رہے آخر الصحابہ ہیں۔ امام بخاری نے اسّیؓ اور امام مسلم نے ستّرؓ حدیثیں آپ سے روایت کی ہیں اور مشترکہ طریقہ پر صحیحین میں آپ کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے۔ سنہ ۹۳ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۸)

[2] حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان الاموی مشہور صحابی ہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت علیؓ سے مقابلہ اور جنگ جمل وصفین نے اور زیادہ مشہور کر دیا ہے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۹ پر)

حضرت ابوسعید[۱] خدری رضؓ حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ حضرت عبدالرحمٰن[۲] بن ابی لیلےٰ رضؓ علقمہ[۳] اور ان کے سوا دوسرے اکابر صحابہ وتابعین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، وحی کے کاتب تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی کی تھی جو پوری ہوئی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کے والی مقرر ہوئے، حضرت عثمانؓ نے انہیں اس عہدے پر قائم رکھا۔ اس کے بعد اسلامی ملک کے ایک حصہ کے خودمختار امیر رہے۔ ان کا زمانہ ولایت بھی بیس برس ہے اور زمانہ امارت بھی تقریباً بیس برس۔ اٹھاسی برس عمر پائی اور ۶۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صـ۲۰۷)

---

[۱] حضرت ابوسعید خدریؓ انصاری مدنی ہیں۔ بیعۃ شجرہ میں شریک تھے۔ ان کے والد نے غزوہ احد میں شہادت پائی۔ علمائے صحابہ میں ہیں اور صاحب افتاء ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ جابر بن عبداللہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اہل صفہ میں تھے، ان کی مرویات بخاری میں سولہ اور مسلم میں باون ہیں، ۷۴ھ میں وصال ہوا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صـ۳۷،۳۸ اور آپ کی مرویات کی مجموعی تعداد (۱۱۷۰) ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۲ صـ۸۳)

[۲] ابوعیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ الانصاری الکوفی، تابعی ہیں، مدینہ میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوذر غفاریؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن سیرین کا بیان ہے کہ میں ان کی مجلس میں بیٹھا ہوں، ان کے ساتھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف نے انھیں قاضی مقرر کیا۔ اور اسی دوران میں ان سے فرمائش کی کہ حضرت علیؓ کو برا کہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰ پر) (اس صفحہ کے نمبر ۳ کا حاشیہ صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

حدیث کے مذاکرہ کی اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو تاکید کرتے تھے۔
(دارمی ص۷۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ابن تبریدہ کا بیان ہے۔

قال علی تذاکروا الحدیث وتزاوروا فانکم ان لم تفعلوا یدرس (دارمی ص۷۹)	حضرت علی نے فرمایا کہ علم کا تذاکرہ کرو۔ اور ایک دوسرے سے ملتے رہو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو علم ضائع ہو جائے گا۔

یعنی صحابہ کرامؓ میں دو چیزوں کا چرچا تھا۔ کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ صلعم، اور وہ اپنے وقت کو انہیں دو کاموں میں صرف کرتے اور ان ہی دو چیزوں کو خود پڑھتے۔ دوسروں کو پڑھاتے یا اُن سے سنتے رہتے تھے، اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کو ان ہی چیزوں کے مذاکرہ اور حفظ کی تاکید کرتے رہتے۔ تو پھر جنھوں نے حدیث کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہو انہیں حدیثیں یاد نہ رہتیں تو کس کو رہتیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) لیکن ابن ابی لیلےٰ نے انکار کیا، تو حجاج نے پہلے عہدہ قضا سے معزول کیا اور پھر پٹوایا۔ اس کے بعد کوفے سے نکل پڑے، اور ۸۳ھ میں انتقال کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۵۰)

(صفحہ ۲۹ کے نمبر ۳ کا حاشیہ) علقمہ بن قیس الکوفی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوئے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱ پر)

کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں احادیث کے یاد کرنے کا رواج عام تھا۔ اور جنھیں کوشش کے باوجود حدیثیں یاد نہ رہتیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بعض دفعہ آپ دعا فرمایا کرتے اور بعض دفعہ لکھنے کا حکم دیتے، جیسا کہ اوپر کی روایتوں سے معلوم ہو چکا۔ اور جن صحابہ کرامؓ کو محنت ومشقت کے باوجود احادیث محفوظ نہ رہتیں اور وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے تو بعض دفعہ آپ ان کا معجزانہ علاج فرماتے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان کی زندگی طالب علمانہ تھی، برابر دربارِ رسالت میں حاضر رہتے، اس لئے احادیث کے سننے کا موقعہ سب سے زیادہ حضرت ابوہریرہؓ ہی کو ملتا تھا۔ چنانچہ بعد میں جب لوگ اُن سے ان کی کثرتِ روایت کے متعلق پوچھتے تو اس کی وجہ یہی بیان کرتے، کہ میں غریب شخص تھا کسی کاروبار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے حدیث کی روایت کی ہے ابراہیم کا بیان ہے کہ علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے ان ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ جو لوگوں کو پڑھاتے ہیں۔ سنت کی تعلیم دیتے ہیں، اور جن کی راۓ پر لوگ اعتماد کرتے ہیں۔ حضرت علقمہ صاحب افتاء تھے۔ اور ایسے تابعی تھے جن سے صحابہ کرام رضؓ بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ ابن سیرین کا بیان ہے، کہ کوفہ میں اپنے ہمعصر علماء میں علقمہ تیسرے نمبر پر شمار کئے جاتے تھے۔ حضرت علقمہ نے نوّے برس کی عمر پائی، اور کوفہ ہی میں سنہ ۶۲ھ یا سنہ ۷۳ھ میں وفات پائی، رحمتہ اللہ علیہ۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۷۶)

یا روزگار سے مجھے سروکار نہ تھا۔ رات دن آستانۂ نبوت پر پڑا رہتا دوسرے صحابہؓ اپنے اپنے کاموں اور روزگار میں مصروف رہتے۔ فرصت نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس لئے مجھے دوسرے صحابہؓ کے مقابلے میں احادیث کے سُننے کا زیادہ موقعہ ملا۔ (بخاری جلد ا صہ ۳۵ باب حفظ العلم۔) لیکن برابر کی حاضری اور احادیث کو یاد رکھنے کی کوشش کے باوجود انھیں حدیثیں یاد نہ رہتیں۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی حسرت کے ساتھ اپنی داستان کہی، اور یاد نہ رہنے کی شکایت کی۔ آپ نے ایک معجزانہ طریقے پر سوء حفظ کا علاج فرمایا۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں خالی ہاتھوں کا ایک لپ اُن کی چادر میں ڈالا اور فرمایا کہ چادر سمیٹ لو۔ حضرت ابوہریرہ[1] رضؓ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد میرا حافظہ اس قدر قوی ہو گیا کہ کسی بات کو ایک دفعہ سُن لینے کے بعد میں کبھی نہ بھُولا۔ (بخاری جلد ا صہ ۳۵)

ایک طرف صحابۂ کرام رضؓ کے شغف بالحدیث کا یہ حال کہ بغیر مذاکرۂ حدیث کے انھیں چین نہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی ترغیب اور صاف حکم کہ حدیثیں لکھا کرو۔ پھر یہ کس طرح یقین کر لیا گیا کہ عہدِ نبوی میں احادیث کی کتابت نہیں ہوتی اور احادیث کا مدار صرف

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ مہاجرین صحابہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور اصحاب صفہ میں سے ہیں صحابہؓ میں حدیث کے سبب سے (باقی حاشیہ صفحہ ۳۳ پر)

زبانی روایتوں پر رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے احادیث کی صرف زبانی روایتوں پر اکتفاء نہ کی بلکہ احادیث کو قلمبند کیا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے صحابہؓ حدیثیں لکھا کرتے تھے، جس کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ احادیث بیان فرمارہے ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھی ہے اور حدیثیں لکھتی جارہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کتابتِ حدیث کے متعلق اپنے ایک بیان کی ابتدا ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) بڑے حافظ اور مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ صاحب درس وفتویٰ ہیں نقر و فاقہ کی لذتوں کو خوب چکھا ہے۔ اور دولت و فراخی کی تلخیوں سے بھی کام و دہن کو آشنا کیا ہے۔ ورع وتقویٰ عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے حضرت ابوہریرہ رضؓ فرمایا کرتے تھے۔

نشأت يتيما وهاجرت	میری پرورش یتیمی کی حالت میں ہوئی اور
مسكينا وكنت اجيرًا لابن	ایک مسکین کی حیثیت میں ہجرت کی میں صرف
غزوان بطعام بطني وعقبة	بھر پیٹ کھانے پر ابن غزوان کی
رجلي احدوهم اذا ركبوا و	مزدوری کرتا تھا، جب وہ سوار ہوکر چلتے
احتطب اذا نزلوا فالحمد لله	تو میں ساتھ جاتا۔ جب وہ اترتے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۴ پر)

بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب (دارمی صفحہ ۶۸)	ہم سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ کر حدیث لکھ رہے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتابتِ حدیث کا منظر یہ ہوا کرتا تھا کہ آپ درمیان میں تشریف فرما ہیں صحابہ رضؓ کی جماعت حلقہ بنا کر آپؐ کے گرد بیٹھی ہوئی ہے اور جو کچھ آپ ارشاد فرماتے جا رہے ہیں، قلمبند ہوتا جا رہا ہے۔
یہ تو بالکل املا کی شکل ہوئی، کہ ایک شخص بولتا جا رہا ہے اور ایک جماعت لکھتی جا رہی ہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ حضرت انس رضؓ کی روایت کو بھی ملا لیا جائے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) الذی جعل الدین قواماً وابا هریرة اماماً۔	تو میں لکڑی چنتا تھا پس اس خدا کا شکر ہے جس نے دین کو استوار کیا اور ابوہریرہ رضؓ کو امام بنایا۔

ایک اور موقعہ پر حضرت ابوہریرہ رضؓ نے ارشاد فرمایا۔

انی لاستغفر اللہ ربی واتوب الیہ کل یوم اثنا عشرة الف مرة وقال الراوی کان لہٗ خیط فیہ الفا عقدة لاینام حتی یسبح بہ،	میں روزانہ بارہ ہزار مرتبہ خدا کی جناب میں توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس ایک تاگا تھا جس میں دو ہزار گرہیں تھیں اس پر تسبیح پڑھے بغیر سوتے نہ تھے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵ پر)

بات کو دو دو تین تین بار دہراتے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ تو پھر صحابہ کرام کی قلمبند کی ہوئی حدیثوں کی صحت پر کون شبہ کرسکتا ہے؟

اب خود حضرت عبداللہ[۱] بن عمرو رض کی کتابت کا حال سنئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رض کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ احادیث کی روایت کروں اور اگر آپ کی اجازت ہو تو احادیث کو یاد کرنے کے ساتھ لکھ بھی لیا کروں۔ ارشاد ہوا کہ اگر میری حدیث ہے تو تم کو لکھنے کی اجازت ہے۔ (دارمی۔ ص۶۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) حضرت ابوہریرہ رض کی مرویات پانچ ہزار تین سو چوہتر ۵۳۷۴ ہیں۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۲۸)

---

[۱] عبداللہ بن عمرو بن العاص رض مہاجرین میں سے ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے انھیں "العالم الربانی" کا لقب دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے والد پر فضیلت دی ہے حصول علم کے بے حد مشتاق تھے۔ توریت و انجیل کے بھی بڑے عالم تھے۔ ان کا زہد و تقویٰ زمانہ رسالت ہی میں مسلّم تھا۔ عبادت و ریاضت میں بڑی محنت کرتے۔ کثرت سے روزے رکھتے، اور نمازیں پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے بھی نوازا تھا۔ کافی حشم و خدم کے مالک تھے۔ طائف میں ان کا ایک باغ وَهط نامی تھا جس کی قیمت دس لاکھ درہم تھی۔ جنگ صفین میں آئے مگر لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔

مصر کے اندر ۶۵ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۳۵)

دربارِ رسالت سے اجازت حاصل کر لینے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ نے حدیث کی کتابت شروع کی اور پورے انہماک کے ساتھ احادیث کے قلمبند کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا، لکھ لیا کرتا تھا۔ (ابوداؤد جلد ثالث صہ ۳۵۶)

یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت عبداللہ رضؓ کو بعض حضرات نے کتابتِ حدیث سے منع کیا۔ حضرت عبداللہ رضؓ ہی کا بیان ہے کہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، بہت سی باتیں آپ غصہ کی حالت میں بھی فرمایا کرتے ہوں گے، اس لئے حدیث نہ لکھو۔ قریش کی ممانعت سے میں نے لکھنا بند کر دیا۔ اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم لکھا کرو۔ پھر دہان مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے (میری زبان سے) حق کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی۔ (ابوداؤد[1] جلد ثالث صہ ۳۵۶ باب کتابۃ العلم)

---

[1] سنن ابوداؤد کے مصنف ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی ہیں۔ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم میں بہت سے شہروں کا چکر لگایا۔ عراق، خراسان، شام مصر، الجزیرہ حجاز اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جا جا کر علمِ حدیث حاصل کیا۔ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے شیوخ و اساتذہ مثلاً امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ اور قطبہ بن سعید وغیرہ سے بھی حدیث کی سماعت کی۔ اللہ تعالٰے نے امام ابوداؤد کو علوم میں بڑی دستگاہ عنایت فرمائی تھی۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷ پر)

اس اجازت اور حکمِ ثانی کے بعد حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کتابت حدیث کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ اور لکھتے لکھتے ان کے پاس احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ جس کا نام انھوں نے صادقہ رکھا۔ حدیث کی اس کتاب کے متعلق حضرت عبداللہ رضؓ فرمایا کرتے تھے۔ فاما الصادقۃ نصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صادقہ وہ کتاب ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلعم سے سُن کر لکھا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) حافظ موسیٰ بن ہارون محدث نے فرمایا ہے۔ خلق ابو داؤد فی الدنیا للحدیث وفی الاخرۃ للجنۃ۔ (ابوداؤد دنیا میں حدیث کیلئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔) امام ابوداؤدؒ کو پانچ لاکھ حدیثیں محفوظ تھیں۔ انہیں میں سے انتخاب کرکے سنن مرتب کی جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ سنن کی ترتیب میں اس کا لحاظ رکھا کہ حدیث صحیح یا حسن ہو۔ اس سے کم درجہ کی حدیث کو اپنے سنن میں درج نہیں کیا۔ امام ابوداؤد کا قول ہے کہ حدیث کے ذخیرہ میں چار حدیثیں سمجھ دار شخص کے لئے کافی ہیں۔ ایک۔ انما الاعمال بالنیات۔ انسان کے عمل کا مدار اس کی نیت ہے۔ دوسری۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دینا انسان کے اسلام کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔
تیسری۔ لایکون المومن مومنا حتی یرضیٰ لاخیہ ما یرضاہ لنفسہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند نہیں کرے۔ جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۸ پر)

صادقہ سے حضرت عبداللہؓ کو بڑی محبت تھی۔ اور اس کو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کمائی سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے۔ مَا یرغبنی فی الحیٰوۃ الا الصَّادقۃ صادقہ کے سوا کوئی چیز مجھ کو اپنی زندگی کا خواہش مند نہیں بناتی۔ (دارمی صـ۶۷)

حدیث کی کتاب صادقہ کتنی ضخیم ہوگی اور اس میں کتنی حدیثیں درج کی گئی ہوں گی۔ اس کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جن کا شمار مکثرینِ حدیث میں ہے اور جن کی روایتوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ۵۳۷۴ ہے۔ حضرت عبداللہؓ کے متعلق ان کا بیان ہے۔ ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدٌ اکثر حدیثاً عنہ منی الا ما کان فی عبداللہ بن عمرو۔ صحابہ کرامؓ میں عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ کسی اور کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ تھیں۔ (بخاری شریف جلد ۱ صـ۲۲)

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی مرویات کو قلم بند نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) چوتھی۔ الحلال بیّن والحرام بیّنٌ وبین ذالک مشتبہات فمن اتقی الشبہات استبرأ لدینہ ـــــ حلال اور حرام دونوں واضح ہیں۔ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ متشابہات ہیں۔ پس جو شخص شبہات سے بچا، اس نے اپنی دنیا پاک کرلی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص ان چار حدیثوں کو اپنی زندگی کا اصول بنالے وہ دین اور دنیا دونوں میں کامیاب رہے گا۔ ـــــ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹ پر)

کیا تھا۔ بہرحال اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ کی مرویات پانچ ہزار کچھ سو سے بھی زیادہ تھیں۔ اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ کے اس بیان کو بھی ملا لیا جائے جو اوپر گذر چکا ہے کہ جو کچھ بھی میں حضورؐ کی زبانِ مبارک سے سُنتا تھا۔ لکھ لیا کرتا تھا، اور ان ہی لکھی ہوئی حدیثوں کے مجموعہ کا نام انھوں نے صادقہ رکھا تھا۔ تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صادقہ میں پانچ ہزار تین سو چوہتر[5374] سے بھی زیادہ حدیثیں تھیں۔ جب کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی غیر مکرر حدیثوں کی تعداد چار چار ہزار سے بھی زیادہ نہیں ہے اور جس میں کافی حصّہ ان حدیثوں کا ہے جو دونوں کتابوں میں مشترک ہیں۔ اور موطا امام مالک جسے بعض حضرات بخاری و مسلم شریف پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس کی مرویات کی تعداد ستره سو بیس[1720] ہے تو تنہا ایک صحابی کی کتاب صادقہ کی روایات ان کتابوں کی مرویات سے زیادہ تھیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) امام ابو داؤدؒ نے یہ سنن بغداد میں رہ کر لکھی اور امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے بہت پسند فرمایا۔ اور تحسین کی۔ حسن بن محمد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تمسّک بالسنۃ کرنا چاہتا ہو، اسے سنن ابو داؤد پڑھنی چاہیے۔

امام ابو داؤدؒ نے بصرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی اور وہیں بماہ شوال بروز جمعہ ۲۷۵ھ وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (اتحاف النبلاء ص۹۵ ص۲۵۷ الحطہ ص۱۲۵ بستان المحدثین ص۱۱۸ ص۱۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ کی جمع کی ہوئی حدیث کی کتابیں اُن کے پوتے شعیب[1] کو ملی تھیں۔ وجد شعیب کتب عبد اللّٰہ بن عمرو فکان یرویھا عن جدہ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۵۴) شعیب کے پاس حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ کی کتابیں تھیں۔ اور اس سے وہ روایت کرتے تھے۔

اور یہ کتابیں حضرت شعیب کے انتقال کے بعد اُن کے لڑکے عمرو[2] کے پاس تھیں اور وہ اس سے روایت کرتے تھے۔

---

[1] شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص الحجازی، تابعی ہیں۔ صغیر سنی ہی میں ان کے والد محمد کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ نے ان کی پرورش کی۔ حضرت ابن عباس رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضؓ حضرت عبادہ بن الصامت اور اپنے دادا سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور ثقہ ہیں۔ خلیفہ نے ان کو اہلِ طائف کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۳۵۶)

[2] عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ کے متعلق امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحٰق بن راہویہ اور عام اصحاب حدیث کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن شعیب علماء عصر میں سے تھے۔ عمرو بن شعیب خود تابعی ہیں۔ اور بیس سے زیادہ تابعیوں نے ان سے روایت کی ہے۔ ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۵۳)

قال ابو بکر بن ابی خیثمۃ سمعت ھارون بن معروف یقول لم یسمع عمرو من ابیہ شیئًا انما وجدہٗ فی کتاب ابیہ ــــــ	عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے اپنے والد سے نہیں سُنا ہے، ہاں عمرو کے پاس اپنے والد کی کتاب تھی، اور وہ حدیثیں عمرو کو اسی کتاب میں ملی ہیں۔

(تہذیب التہذیب[1] جلد ۸ صـ۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حدیث کی کتابت صرف حضرت عبد اللہ رض ہی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ صحابہ کی ایک جماعت حدیث کی کتابت کا کام کرتی تھی۔ اور یہ کام اس وقت سے ہو رہا تھا جبکہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رض نے حدیثوں کا قلم بند کرنا شروع بھی نہیں کیا تھا۔ خود ہی ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صحابہ کی ایک جماعت حاضر تھی، میں بھی موجود تھا، کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہٗ من النار	جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

جب مجلس برخاست ہوئی اور ہم لوگ وہاں سے چلے تو میں نے

---

[1] تہذیب التہذیب علامہ ابن حجر عسقلانی رح کی تصنیف ہے۔ جن کا ذکر فتح الباری کے ضمن میں آگے آرہا ہے، تہذیب التہذیب بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور جس میں حدیث کے بارہ ہزار چار سو چھپن راویوں کے حالات علامہ ابن حجر رح نے قلم بند کئے ہیں۔

ان صحابہؓ سے کہا کہ اس وعید کے سننے کے بعد آپ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے کی جرأت کس طرح ہوتی ہے! تو ان صحابہؓ نے جواب دیا بھتیجے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی ہم نے سنا ہے وہ ہمارے پاس لکھا ہوا ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ صـ ۱۵۲)

حضرت[۱] رافع بن خدیج رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے دربارِ رسالت میں عرض کیا، کہ یا رسول اللہ صلعم ہم لوگ زبانِ مبارک سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں، اس کے متعلق کیا ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لکھا کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (کنز العمال جلد ۵ صـ ۲۲۳ مجمع الزوائد جلد ۱ صـ ۶۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد میں حضرت[۲] علی کرم اللہ وجہہ نے بھی احادیث کو قلم بند کیا تھا۔ چنانچہ آپ کا مجموعہ صحیفۂ علی کے نام سے

۱؎ رافع بن خدیجؓ الانصاری، صحابی ہیں، ابو عبداللہ کنیت ہے۔ غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ اور ۵۹ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ ۲۲۹)

حضرت رافع بن خدیجؓ کی مرویات کی تعداد (۷۸) ہے (فتاویٰ عزیزی جلد ۲ صـ ۵۳)

۲؎ علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں۔ اور ان چند لوگوں میں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے جس سے ان کی فطری صلاحیت اور سلامتِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۳ پر)

مشہور ہے صحیفہ علیؓ میں شریعت کے بہت سے مسائل تھے، خوں بہا اسیروں کی رہائی، زکوٰۃ اور دوسرے موضوع سے متعلق احادیث تھیں۔
(بخاری شریف صـ۳۳ باب کتابۃ العلم، طحاوی جلد ۲ صـ۳۸۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) علم، تقویٰ، شجاعت، سخاوت حضرت علی رضؓ کی نمایاں خصوصیات ہیں، خود آنحضرت نے فرمایا۔ اقضٰھم علیؓ۔ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔ غزوات میں شریک رہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جہاد کا حق ادا کر دیا۔ جس کی ایک مثال غزوہ خیبر کا تاریخی واقعہ ہے " اللہ کی راہ میں جہاد" کا کیا مطلب ہے۔ اس کو حضرت علیؓ نے اپنے عمل سے بتلایا ہے، جہاد کے موقعہ پر ایک دشمن مقابلہ پر آیا۔ اور حضرت علیؓ پر خوب خوب وار کئے، حیدر کرارؓ نے بھی فنِ سپہ گری کے جوہر دکھلاتے، اور آخر دشمن پر غالب آئے، اُسے زمین پر پچھاڑا۔ سینہ پر سوار ہو گئے، کمر سے خنجر نکالا اور چاہا کہ دشمن کا سرتن سے جُدا کر دیں۔ کہ اس نے حضرت علیؓ کے مُنھ پر تھوک دیا۔ آپؓ کو غصّہ آگیا مگر سنبھلے۔ خنجر کمر میں رکھا، اور دشمن کو چھوڑ دیا۔ اُس نے عرض کیا آپ تو مجھ پر قابو پا چکے تھے، پھر کیوں چھوڑ دیا؟ حضرت علیؓ نے اس کا جو جواب دیا وہ سُننے کے لائق ہے، اور وہی جہاد فی سبیل اللہ کی تفسیر ہے" فرمایا جب تک تو نے میرے مُنھ پر تھوکا نہ تھا میں اللہ کے واسطے لڑ رہا تھا۔ اور تیرے تھوکنے کے بعد مجھ کو غصّہ آگیا۔ اب اگر میں تجھ کو قتل کرتا تو وہ اللہ کے واسطے نہ ہوتا، بلکہ اپنے نفس کے لئے ہوتا۔ اس لئے میں نے تجھ کو چھوڑ دیا۔"

حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۴ پر)

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے۔

مَا کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ الا القرآن ومافی ھذہ الصحیفۃ	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز نہیں لکھی مگر قرآن کریم اور جو کچھ اس "صحیفہ" میں ہے۔

خود حضرت ابو ہریرہ رضؓ جو حدیث کے راویوں میں سب سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ اور جن کی مرویات کی تعداد کا ذکر اوپر گذر چکا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمایا۔

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔	تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کیلئے حضرت ہارونؑ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ایک اور موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق	تمہارے ساتھ محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور تمہارے ساتھ بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ۔	وہی حدیثیں بیان کرو جس کو لوگ قبول کر سکتے ہوں۔ (یعنی جس کا حدیث ہونا عقل تسلیم کرے) اور ان حدیثوں کو چھوڑ دو جس کو لوگ قبول نہ کریں کیا اس کو تم پسند کروگے کہ اللہ اور اسکا رسول جھٹلایا جائے

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵ پر)

ان کے متعلق یہ تو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں یا اس کے بعد لیکن بہر حال یہ مسلم ہے کہ انھوں نے بھی احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ قلمبند کر لیا تھا۔ حضرت حسن بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انھوں نے اس کا انکار کیا، میں نے کہا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ ہی سے سُنی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے سُنی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر میں لے گئے، اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہت سی کتابیں دکھلائیں۔ اور تلاش سے میری بیان کردہ حدیث ان کتابوں میں مل گئی تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر وہ حدیث میں نے بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔
(فتح الباری[1] جلد ۱۔ صفحہ ۱۴۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) غالباً حضرت علیؓ کا بتلایا ہوا ہی یہ حکیمانہ اصول ہے جس پر فن تنقید حدیث میں درایت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کو اپنے دارالخلافہ کوفہ میں شہید کئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تذکرۃ الحفاظ وغیرہ جلد ۱ صفحہ ۹ لغایتہ صفحہ ۱۲)

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کے مصنف قاضی القضاۃ الحافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد ہیں جو ابن حجر عسقلانی کے نام سے مشہور ہیں، ان کی ولادت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے والد کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس وقت کے ایک مشہور صاحب کرامت بزرگ شیخ صابریؒ ——— (باقی حاشیہ صفحہ ۴۶ پر)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی روایت کرتے تھے۔ وہ ان کے پاس قلم بند تھا جب ہی تو انھوں نے حسن بن عمر کو حدیث کی بہت سی کتابیں دکھائیں۔ اب اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اپنی مرویات کو جن کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے قلمبند کر چکے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق بشیرؒ بن نہیک کا بیان ہے کہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) کی خدمت میں ان کے والد حاضر ہوئے، اور عرض مدعا کی، بزرگ نے دعا دی اور فرمایا کہ تمہارے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو اپنے علوم سے دنیا کو معمور اور سیراب کرے گا۔ اس کے بعد ۷۷۳ھ میں ابن حجرؒ پیدا ہوئے، مصر تو مولد ہی تھا اسکندریہ، فارس، شام، حلب، حجاز، یمن وغیرہ میں جا کر تحصیل علم کی۔ اور مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ اور اس زمانہ کے شیوخ و محدثین نے فن حدیث میں علامہ ابن حجر کی فضیلت اور فوقیت کا اعتراف کیا۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں جو پسند کی گئیں۔ اور بہت مقبول ہوئیں۔ اور علامہ کی زندگی ہی میں دور دراز ملکوں سے کتابوں کی مانگ ہونے لگی۔ قرأت حدیث کے متعلق ان کے واقعات حیرت انگیز ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں خاص برکت عطا فرمائی تھی۔ فتح الباری علامہ موصوف کی قیمتی تصانیف میں ہے۔ جو مقدمہ ملا کر چودہ جلدوں میں ہے۔ اور جس کا ہر صفحہ مصنف کے خداداد تبحر علمی کا آئینہ دار ہے۔ ذی الحجہ ۸۵۲ھ میں قاہرہ کے اندر وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (بستان المحدثین ص۱۲۶)

۱؎ بشیر بن نہیک السدوسی، تابعی ہیں، حضرت ابوہریرہؓ اور دیگر صحابہ کرام سے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۷ پر)

حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث کی کتابیں مانگ کر لے جاتا اور اس کی نقل کرتا پھر انھیں سُناتا۔ اور عرض کرتا۔ کہ اِن حدیثوں کو آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ جواب دیتے کہ ہاں۔ (دارمی صـ۶۸)

اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ صحابہ ہی میں صحابہ کرام کی جمع کردہ احادیث کی کتابوں کی نقل کا رواج عام ہو چکا تھا۔ لوگ صحابہ کرام سے احادیث کی کتابیں مانگ کر لے جاتے اور اس کی نقل کرتے۔ اور صحابہ کرامؓ ہی سے اِن نقلوں کی تصدیق و توثیق کراتے۔

وہ صحابۂ کرامؓ جن سے احادیث زیادہ تعداد میں مروی ہیں، ان میں ایک حضرت عبداللہ[1] ابنِ عباسؓ کا نام بھی ہے۔ ان کی روایتوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶) احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں حضرت بشیر کا بیان موجود ہے کہ ۔ اتیت اباھریرۃ بکتابی الذی کتبت عنہ وقرأتہ علیہ فقلت ھذا سمعتہ منک قال نعم۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ صـ۴۷۴)

میں وہ کتاب لے کر حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آیا جو میں نے ان سے لکھی تھی۔ اور پڑھ کر سُنایا۔ اور کہا کہ یہ وہ ہے جو میں نے آپ سے سُنا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاں۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں۔ آنحضرت نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دُعا کی۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۸ پر)

تعداد دو ہزار چھ سو ساٹھ ہے۔ انھوں نے بھی حدیثیں قلمبند کرلی تھیں چنانچہ حضرت عکرمہ[۱] رضؓ کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی نگاہیں کمزور ہوچکی تھیں اور وہ خود پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اسی زمانے میں طائف کے کچھ لوگ حضرت ابنِ عباسؓ کے قلمبند کئے ہوئے حدیث کے چند نسخے لے کر پہونچے۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم لوگ خود سنائو تمھارا سنانا اور میرا پڑھنا جوازِ روایت کے لئے دونوں یکساں ہیں۔
(طحاوی جلد ۲ صـ ۳۸۴، ترمذی جلد ۲ صـ ۳۳۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) ان یفقھہ اللہ فی الدین ویعلمہ التاویل۔ — اللہ تعالیٰ دین میں سمجھ عطا فرمائے اور قرآن کا علم دے۔

یہ دعا کیا پیشین گوئی تھی۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ ابی وائل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ امیر حج بنائے گئے۔ تو ایسا بلیغ خطبہ دیا، کہ اگر ترک اور روم کے کفار سنتے تو اسلام قبول کر لیتے۔ پھر سورۂ نور پڑھی اور اس کی تفسیر کی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بصرہ کے والی مقرر ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ امام المفسرین تھے۔ آج بھی اُن کی تفسیر موجود ہے، جو علماء میں قول فیصل اور حکم ناطق شمار کی جاتی ہے۔ طائف میں قیام تھا ۶۸ھ میں وصال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صـ ۳۴)

---

[۱] ابوعبداللہ عکرمۃ البربری ثم المدنی، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے خادم ہیں۔ اپنے مخدوم کے سوا حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ اور دوسرے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۹ پر)

اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضرت ابن عباس رضؓ نے اپنی روایتوں کو قلمبند کر لیا تھا۔ اور دوسری یہ کہ حدیث کے ان نسخوں کی نقلیں لوگوں میں پھیل چکی تھیں، جب ہی تو طائف کے لوگ ان نسخوں کو لے کر سامنے آتے، اور اس خیال کی تائید دارمی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سعید[1] بن جبیرؒ حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس بیٹھ کر صحیفوں میں حدیثیں لکھتے تھے (دارمی ص ۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) اجلہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ تابعی ہیں خود حضرت عکرمہ کا بیان ہے کہ میں نے چالیس ۴۰ برس تحصیل علم میں صرف کئے ہیں حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ آپ کسی ایسے شخص کو بھی جانتے ہیں جو علم میں آپ سے بھی بڑھا ہوا ہو۔ فرمایا ہاں عکرمہ۔ قرہ بن خالد کا بیان ہے کہ جب حضرت عکرمہ بصرہ آتے، تو حضرت حسن تفسیر بیان کرنا اور فتویٰ دینا بند کر دیتے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔ رحمتہ اللہ علیہ، (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۸۹، ۹۰)

---

[1] سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی، ابو محمد الکوفی کے خادم تھے۔ تابعی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضؓ۔ حضرت ابوسعید الخذری رضؓ حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے حدیث کی روایت کی ہے جب عبداللہ بن عباس رضؓ کے پاس لوگ کوفہ سے مسائل دریافت کرنے آتے، تو آپ فرماتے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر موجود نہیں ہیں۔ حضرت سعید مستجاب الدعوات تھے۔ ان کے پاس ایک مرغ تھا۔ اس کی اذان سے روزانہ صبح کو بیدار ہوتے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۰ پر)

اب خواہ یہ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے مجموعہ کی نقلیں کرتے ہوں، یا حضرت ابنِ عباسؓ اپنی قلمبند کی ہوئی حدیثوں کو زبانی بیان فرماتے ہوں اور یہ لوگ لکھتے ہوں، جو کچھ بھی ہو۔ اتنی بات بہرحال واضح ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے اپنی مرویات کو قلمبند کر لیا تھا۔ اور آپ ہی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹) اتفاقاً ایک روز مرغ نے اذان نہ دی، اس لئے مقررہ وقت پر اُن کی آنکھ نہ کھل سکی جس کا انھیں افسوس ہوا۔ اور کہا کہ مرغ کو کیا ہو گیا ہے۔ خدا اس کی آواز کو بند کر دے۔ چنانچہ مرغ زندہ رہا مگر کبھی اُس کی آواز نہ سُنی گئی۔

حضرت سعید، عبد اللہ بن عتبہ قاضیٔ کوفہ کے کاتب تھے۔ پھر ابی بردہ بن ابی موسیٰ کے کاتب رہے۔ پھر ابن الاشعث کے ساتھ حجاج بن یوسف پر خروج کیا۔ ابن الاشعث کو شکست ہوئی تو حضرت سعید کوفہ سے مکہ چلے آئے۔ ایک عرصہ کے بعد خالد القیسری نے گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس واسط بھیج دیا۔ حجاج نے پوچھا کہ میں نے تمہارے ساتھ فلاں فلاں احسانات نہیں کئے؟ حضرت سعیدؓ نے جواب دیا کہ ہاں حجاج نے کہا کہ تم نے پھر کیوں خروج کیا۔ اس نازک موقعہ پر حضرت سعیدؓ نے وہی جواب دیا۔ جو ان کے منصب کے مناسب تھا۔ فرمایا کہ امیر المومنین کی بیعت تمہارے احسانات سے اسبق و اولیٰ ہے۔ حجاج کو اس جواب پر غصہ آیا۔ اور اسی وقت گردن اُتروالی۔ یہ واقعہ ۹۵ھ میں پیش آیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۱ تا ص۱۴)

زمانہ میں آپ کی مرویات کی نقلیں لوگوں میں پھیل گئی تھیں۔

ان تھوڑی سی تفصیلات سے اندازہ ہوا ہو گا کہ خود رسول اللہ صلعم کے حکم سے آپ کی جو حدیثیں قلمبند ہوئیں، ان کی تعداد بھی یقیناً ہزار سے زیادہ ہی ہے، کم نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ صحابۂ کرام کے دستِ حق پرست سے جو حدیثیں لکھی گئیں۔ اور جن اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابوں میں جگہ پائی، ان کی تعداد بھی پندرہ ہزار سے زیادہ ہے کم نہیں، صحابۂ کرام کی کتابتِ حدیث کے جو واقعات اوپر لکھے گئے ہیں، اُن کا خلاصہ ایک نقشہ کی شکل میں حسب ذیل ہے۔ اس نقشہ میں ایک طرف ان صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں۔ جنھوں نے احادیث کے قلمبند کرنے کا کام انجام دیا۔ اور دوسری طرف ہر ایک کے نام کے سامنے اُن کی مرویات کی مجموعی تعداد لکھی گئی ہے۔

(نقشہ صفحہ ۵۲ پر مُلاحظہ فرمائیے)

نمبر شمار	ان صحابہ کرامؓ کے نام جنھوں نے احادیث کو قلمبند کیا	مرویات کی تعداد
۱	حضرت انس بن مالکؓ جنھوں نے عہد رسالت میں احادیث کو قلم بند کیا۔ اور پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے تصدیق حاصل کی۔	۱۲۸۶
۲	حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احادیث کو لکھا۔ اور جن کی مرویات حضرت ابوہریرہؓ کے بیان کی بنا پر پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) سے زیادہ ہونی چاہئے۔	۶۰۰۰
۳	حضرت ابوہریرہؓ جو حدیث کی روایت میں سب سے زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ اور جنھوں نے اپنی مرویات کو قلم بند کرایا تھا اور جس کی نقلیں اسی زمانہ میں لوگوں کے پاس پہونچ چکی تھیں۔	۵۳۷۴
۴	حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جنھوں نے احادیث کو لکھا اور جن کے لکھے ہوئے نسخوں کی نقلیں ان ہی کے زمانہ میں لوگوں میں پھیل گئیں۔	۲۶۶۰
۵	حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ جنھوں نے احادیث کو جمع کیا، اور جس مجموعہ نے "صحیفۂ علیؓ" کے نام سے شہرت پائی۔	۵۸۶[1]
		۱۵۹۰۶

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرویات کی تعداد (۶۸۶) لکھی ہے لیکن ماخذ نہیں لکھا ہے۔ ممکن ہے کتابت کی غلطی سے (۵۸۶) کے بجائے (۶۸۶) ہوگیا ہو۔ (تجرید ج ۱ ص ۲۲۴)

ایک طرف تو واقعات یہ ہیں کہ خود عہدِ رسالت میں صحابہ کرام کے ہاتھوں سے تقریبًا سولہ ہزار حدیثیں قلم بند ہو چکی تھیں، اور ان صحابہ کرام کے مجموعوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے جن کی مرویات کی تعداد کا مجھ کو علم نہیں، اور دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ بخاری اور مسلم[1] کی غیر مشترک

---

[1] صحیح مسلم۔ الامام الحافظ مسلم بن الحجاج القشیری کی تصنیف ہے امام مسلم کی پیدائش ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ امام مسلم نے علم حدیث کی تحصیل میں حجاز، عراق، شام، مصر بغداد اور دوسرے بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔ اور یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری۔ امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث سے اس فن کو حاصل کیا اور ایسی دستگاہ حاصل کی، کہ ان کے تمام ہمعصروں نے امام مسلم کے فضل و شرف کو تسلیم کر لیا۔ اور ائمہ حدیث نے امام مسلم سے روایت کی، خصوصًا صحت و سقم حدیث کی معرفت میں ان کو اپنے تمام ہمعصروں میں امتیاز حاصل تھا۔ حافظ ابو علی نیشاپوری اور مغاربہ کی ایک جماعت تو صحیح مسلم کو حدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت دیتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں صرف ان ہی احادیث کو درج کیا ہے جس کے راوی امام مسلم سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور اور طبقہ میں کم از کم دو اشخاص رہے ہوں یعنی اس حدیث کو کم از کم دو صحابہ نے اور ان سے دو تابعی نے اور پھر ان سے دو تبع تابعی نے یہاں تک کہ دو راویوں نے امام مسلم سے بیان کیا ہو۔ اس کے علاوہ امام مسلم نے راوی کے لئے صرف عادل ہی ہونا کافی نہیں سمجھا ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک راوی کو شہادت کی شرائط پر بھی پورا اترنا چاہیئے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۴ پر)

احادیث کی مجموعی تعداد تقریباً آٹھ ہزار ہے۔ والکمال فی اسماء الرجال بر مشکوٰۃ شریف ص[۱]
یعنی صحابۂ کرامؓ کی قلمبند کی ہوئی احادیث سے بھی نصف، پھر سمجھ میں نہیں آتا
کہ احادیث کی موجودہ کتابوں کو محض اس بنیاد پر کہ اُن کی تصنیف رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ کیونکر چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اور منکرین احادیث کا یہ
کہنا کہ احادیث کی کتابت رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ بلکہ ڈیڑھ سو
برس کے بعد احادیث کو قلمبند کیا گیا۔ ایک ایسا تاریخی بہتان ہے جس کی نظیر ملنا مشکل
ہے۔ (نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) امام مسلم کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔ اور ہر ایک تصنیف
اُن کے علم و فضل کی شاہد ہے۔ ایک مشہور امام حدیث ابوحاتم رازی نے امام مسلم کو
خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کیا حال ہے۔ امام نے جواب دیا، کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو
میرے لئے مباح کر دیا ہے کہ جہاں چاہوں رہوں۔

صحیح مسلم کی صحت و مقبولیت کا اندازہ ایک اور واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ابوعلی زاغونی کو ایک
شخص نے خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ کونسی چیز آپ کی نجات کا ذریعہ بنی، زاغونی نے جواب دیا کہ مجھ کو
ان اوراق کے ذریعہ نجات ملی جو میرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ اوراق صحیح مسلم کے تھے۔
امام مسلم کی وفات سنہ ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (بستان المحدثین ص۱۱۶)

---

[۱] اکمال فی اسماء الرجال شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی کی
تصنیف ہے۔ جن کا ذکر مشکوٰۃ المصابیح کے ضمن میں گذر چکا۔

اِس موقعہ پر یہ خیال رہے کہ مذکورہ بالا تعداد اِن حدیثوں کے علاوہ ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھی گئیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ مذکورہ بالا تعداد کے سوا لکھی ہوئی احادیث کا ایک معتدبہ حصّہ وہ بھی ہے۔ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ کی مختلف جماعتیں لکھتی رہیں، ان میں سے بعض جماعتیں تو وہ ہیں۔ جو مجلسِ نبوی میں بیٹھ کر لکھتی تھیں۔ اور جس کی شکل بالکل اِملا کی سی ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرُو کے اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے، جو دارمی صـ۶۸ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور بعض وہ جماعتیں تھیں جو مجلسِ نبوی میں بیٹھ کر حدیثیں سنتی تھیں۔ اور مجلس برخواست ہونے کے بعد قلم بند کر لیتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے معلوم ہوا جو مجمع الزوائد صـ۱۵۱ سے نقل کی گئی ہے۔

اتنی کھلی ہوئی شہادتوں اور ایسے روشن واقعات کے بعد تو غالبًا یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کہ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث کو قطعًا منع فرما دیا تھا۔ یا صحابۂ کرام رضؓ نے احادیث کو قلمبند نہیں فرمایا۔ بلکہ اُوپر جو شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ اُن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبُور ہے۔ کہ جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو احادیث کی کتابت کی ترغیب دی۔ اجازت دی اور حکم بھی فرمایا اور صحابہ کرام نے نہایت محنت اور مستعدی سے احادیث کو قلم بند کیا اور اس کی اشاعت کی۔

اب رہا یہ سوال کہ آخر اس حدیث کا مطلب اور محل کیا ہے، جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا۔ اور جو کچھ قلم بند ہو چکا تھا اس کے ضائع کرنے کا حکم دیا۔

منع کتابت والی حدیث جس کو منکرین حدیث بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں اور جس پر اپنے فاسد خیالات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال کنا قعوداً نکتب ما نسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج علینا فقال ما ھذا تکتبون فقلنا ما نسمع منک فقال اکتاب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ واخلصوہ قال فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احرقناہ
(مجمع الزوائد ص ۱۵۹ ج ۱)

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسے بیٹھ کر لکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا لکھ رہے ہو، ہم نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی آپ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ ایک اور کتاب لکھی جا رہی ہے؟ اللہ کی کتاب کو علیٰحدہ کرو اور خالص کرو۔ پس ہم نے جو کچھ بھی لکھا تھا جمع کر کے جلا دیا۔

میرا خیال ہے کہ اس حدیث میں اور ان روایتوں میں جن میں کتابتِ حدیث کی اجازت یا حکم دیا گیا ہے یا ان شہادتوں میں جو

کتابتِ حدیث کے متعلق اُوپر درج کی گئی ہیں۔ کوئی تعارض نہیں ہے۔

صورتِ حال یہ تھی کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا نازل ہو رہا تھا کچھ سورتیں یا آیتیں آج نازل ہوئیں کچھ کل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سورۃ یا آیت کے نزول کا اعلان فرماتے۔ اور پھر آیت کی تشریح میں یا کسی دوسرے معاملہ کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے۔ صحابۂ کرامؓ ان ساری چیزوں کو ایک ہی کاغذ پر لکھ لیا کرتے، جیسا کہ منع کتابت والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ جب رسول اللہ صلعم نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا، کہ تم یہ کیا لکھ رہے ہو، تو انھوں نے عرض کیا، کہ جو کچھ بھی آپؐ سے سُنتے ہیں۔ اس میں قرآن و حدیث کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ نبی کی دُور بین نگاہ اس کو کب گوارہ کر سکتی تھی کہ صحابہ کے ہاتھوں کوئی ایسی چیز عمل میں آئے جن کی بُنیاد پر زاغین کو کلام اللہ کی حفاظت کے سلسلے میں موشگافیاں کرنے کا موقع حاصل ہو جائے اور آنے والی نسل کے لئے احکام خداوندی اور احکامِ نبوی میں خلط ملط کا شبہ پیدا ہو جس کی بُنیاد پر دین کے رخنہ انداز کلام الٰہیہ میں بھی اِس قسم کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں جس طرح کی آج کل احادیث نبوی کے بارے میں کر رہے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب دونوں چیزیں ایک ساتھ لکھی جائیں گی، تو پھر اس میں امتیاز کرنا کہ اس میں کونسا حِصّہ قرآن مجید کا ہے اور کون سا ٹکڑا حدیث کا ہے۔ مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ بڑی خطرناک چیز ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں کوئی فرق نہ رہے۔ دونوں

کو ایک ساتھ اس طرح لکھا جائے، کہ تمیز مشکل ہو۔

چنانچہ جب صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا، کہ جو کچھ بھی ہم آپؐ سے سنتے ہیں۔ لکھ لیتے ہیں۔ تو آپؐ نے تعجب سے فرمایا کہ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ ایک اور کتاب لکھی جا رہی ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ ایک دوسری کتاب کا اس طرح لکھنا کہ دونوں میں امتیاز باقی نہ رہے، کسی طرح روا نہیں۔ آپؐ نے اظہارِ تعجب کے بعد یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ دوسری کتاب نہ لکھو، بلکہ یہ ارشاد ہوا کہ امحضوا کتاب اللہ واخلصوہا اللہ کی کتاب کو علیحٰدہ کرو۔ اور خالص کرو۔ دوسری کتاب کے ساتھ ملا کر نہ لکھو۔ حضرت سعیدؓ فرماتے ہیں، کہ اس کے حکم کے بعد ہم نے جو کچھ بھی قرآن و حدیث ملا کر لکھا تھا۔ جمع کیا اور جلا دیا۔ منع کتابت والی حدیث کا یہ صاف اور کھلا ہوا مطلب ہے۔ اس حدیث سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت کو مطلقاً منع فرما دیا تھا کہ اب اس کے بعد کسی صحابی کو حدیث لکھنے کی جرأت نہ کرنی چاہیے تھی بلکہ اس کے الفاظ صاف طور سے بتلاتے ہیں کہ اس میں کتابت کے اس طریقہ سے روکا گیا ہے۔ جس سے قرآن و حدیث کا باہمی فرق و امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے کہ صحابۂ کرام کاغذ وغیرہ کی کمی یا کسی اور وجہ سے دونوں کو ایک ہی کاغذ پر ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے۔

میرے اس بیان کی تائید حضرت ابو بردہ[1] کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

---

[1] ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری تابعی ہیں، اپنے والد اور حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عائشہؓ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۹ پر)

عن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ	ابی بردہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے
قال کتبت عن ابی کتابًا	والد سے ایک کتاب نقل کی تھی۔ تو
فقال لولا ان فیہ کتاب	انھوں نے فرمایا کہ اگر اس میں اللہ
اللّٰہ لاحرقتہ ثمّ دعا بمرکن	کی کتاب نہ ہوتی تو میں جلا دیتا
او باجّانیۃ نغسلھا۔	پھر ایک برتن میں پانی منگوا کر اس کو
(مجمع الزوائد۔ ج ۱ ص۱۶۰)	دھویا۔

معلوم ہوا کہ دوسری کتاب کلام اللہ کے ساتھ ایک ہی کاغذ پر لکھی ہوئی تھی۔ جب تو حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس کتاب میں اللہ کی کتاب لکھی نہ ہوتی تو میں جلا دیتا۔ لیکن کلام اللہ کا احترام کتابت کو جلانے سے روکتا ہے اس لئے پانی سے اس کو مٹایا۔

پھر جب کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ کا فرق صحابۂ کرامؓ کے ذہن نشین ہو گیا۔ اور ایک ساتھ لکھی ہوئی کتابیں ضائع کر دی گئیں۔ اور یہ یقین ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ قرآن وحدیث کو ایک ساتھ ایک ہی کاغذ پر نہ لکھیں گے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو کتابتِ حدیث کی اجازت دی۔ اور صحابہ کرامؓ نے احادیث کو قلم بند کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) حضرت علی رضؓ اور دوسرے صحابۂ کرام سے حدیث کی روایت کی ہے، قاضی شریح کے بعد کوفے کے قاضی رہے۔ بیاسی برس عمر پائی۔ باختلاف روایت ۱۰۳ھ ۱۰۴ھ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۱۸)

اس لئے منع کتابت والی حدیث کا ان روایتوں سے کوئی تعارض نہیں، جس میں کتابتِ حدیث کا حکم دیا گیا ہے۔ اُس کا محل دُوسرا ہے۔ اور اس کا محل دوسرا۔ کھینچ تان کر حدیث کے مطلب کو اپنے خیال کے موافق کرلنے کی ناکام کوشش کرنا تحقیق کا دیانت دارانہ طریقہ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی صاف طریقہ پر سوچنے کی ہے۔ وہ یہ منکرین حدیث منع کتابت والی حدیث کا مطلب غلط بیان کر کے حدیث کے بیش بہا اور مستند ذخیرہ کو ناقابلِ اعتبار کہتے ہیں۔ لیکن آخر یہ منع کتابت والی حدیث ان کو کہاں سے ملی؟ یہ حدیث بھی تو ان ہی کتابوں میں ہے جسے وہ غیر مستند بتلاتے ہیں۔ تو پھر تحقیق کا یہ کونسا طریقہ ہے۔ کہ ایک ہی کتاب کی ایک حدیث کو قابلِ اعتبار قرار دے کر بقیہ پوری کتاب کو رَد کر دیا جاتے۔ اور اس کتاب میں جو روایت اپنے خیال کی تائید کرتی ہو اس کو تو صحیح کہا جاتے، اور بقیہ تمام رَوایتیں غیر مستند ٹھیرائی جائیں۔ اگر منکرین حدیث کے خیال میں واقعی پورا ذخیرۂ حدیث ناقابلِ اعتبار ہے تو منع کتابت والی حدیث کو بطورِ استدلال پیش کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

اس مسئلہ پر ایک اور حیثیت سے بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ کہ آخر ہر زمانہ میں اور آج بھی مطالعہ کے لئے کتابوں کے انتخاب میں کیا طریقہ کار رہا ہے۔ پڑھے لکھے لوگ کس قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اور کیسی کتابوں پر اعتبار کرتے ہیں۔ آج بھی ہم اور آپ اگر کسی کتابت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے نگاہ اس کتاب کے مصنف کو ڈھونڈتی ہے۔ اگر مصنف کوئی جانی پہچانی شخصیت

جس کے علم و فضل کا لوگوں کو اعتراف ہے جس کی دیانت داری اور راستبازی باکمالوں کے نزدیک بھی لائق ستائش ہے۔ اگر اُس نے اپنے علم و اخلاق کے ذریعہ علمی دُنیا میں اپنی ساکھ قائم کرلی ہے۔ تو ایسے شخص کی تصانیف کا ہم مُطالعہ بھی کرلتے ہیں۔ اور اس کی کتاب کو قابلِ اعتبار بھی سمجھتے ہیں۔ اُس کتاب کے حوالے بھی دیتے ہیں اور علمی دُنیا اِن حوالوں کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اگر کوئی مصنّف علمی اور اخلاقی معیار سے گرا ہوا ہے۔ تو اس کی کتاب کو تفریحاً پڑھ لینا دوسری بات ہے۔ لیکن کوئی علمی شخص نہ تو ایسی کتابوں کو پڑھنا پسند کرتا ہے۔ اور نہ لائقِ اعتبار سمجھتا ہے۔ غرض کسی کتاب کے قابلِ استناد ہونے یا نہ ہونے میں مُصنّف کو سب سے بڑا دخل ہوتا ہے۔ رات و دن ہمارا آپ کا کتابوں کے معاملہ میں یہی طریقہ کار ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کے متعلق بھی یہی اصُول نہ برتا جائے۔ اور ان کے قابلِ اعتبار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کتابوں کے مُرتّبین کو سامنے رکھ کر نہ کیا جائے۔

حدیث کی موجودہ کتابوں کے جامعین کے متعلق تاریخ میں جو واقعات موجود ہیں اُن کو اگر جمع کیا جائے تو ہر ایک کے لئے علیحدہ مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں نہ اس کا موقعہ ہے اور نہ حاجت، لیکن یہ واقعہ ہے کہ حضرات محدثین کے ہمعصروں نے اُن کے فضل و کمال کے جو واقعات لکھے ہیں، اُن کی بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایسی شخصیتیں ان کے بعد شاذ و نادر ہی گذری ہیں۔

اِس جگہ صرف دو چار واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

صحاحِ ستہ میں ایک کتاب موطّا[1] ہے۔ جس کے جامع حضرت

---

[1] موطا، امام دار الہجرہ مالک بن انس الحمیری المدنی رح المتوفی ۱۷۹ھ کی تصنیف ہے۔ (باقی حاشیہ ۶۲ پر)

امام مالکؒ ہیں۔ امام موصوف علم و فضل ورع تقویٰ میں جس بلند مقام کے مالک ہیں، وہ کسی پڑھے لکھے شخص سے پوشیدہ نہیں آج بھی عالم اسلامی میں لاکھوں انسان ان کی پیروی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱) امام مالک تابعی ہیں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے، صاحب مذہب متبوع ہیں۔ عالم اسلامی میں آج بھی لاکھوں مسلمان آپ کی تقلید کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اور امام موصوف ہی کے نام کی مناسبت سے مالکی کہلاتے ہیں، ایمہ اربعہ میں یہ خصوصیت صرف امام مالک ہی کو حاصل ہے کہ حدیث میں کتاب ترتیب دی بقیہ ایمہ کی طرف مسندوں کے ترتیب دینے کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ امام مالکؒ کی جلالت شان ان واقعات سے معلوم ہوگی جو مقالہ میں لکھے گئے ہیں۔

موطا حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے جو فقہی نقطۂ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ اور محدثین کی ایک جماعت اس کو صحیح بخاری اور مسلم پر بھی فوقیت دیتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں امام مالکؒ ہی کا ایک بیان درج کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے حج کے موقع پر امام مالکؒ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب موطا کی نقلیں کرا کے پوری مملکت میں بھیجوں، اور اسی کتاب پر عمل کرنے کا حکم دوں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ امیر المومنین ایسا نہ کیا جائے کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگوں نے اپنے اسلاف سے حدیثیں سنی ہیں۔ اور وہ حدیثیں تمام پھیل چکی ہیں۔ اور لوگ ان پر عامل ہیں۔ اس لئے ہر دیار کے لوگوں کو اس مسلک پر چھوڑ دیا جائے جو انہوں نے حدیث ہی کی بنیاد پر اختیار کیا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ موطا کو خانہ کعبہ میں لٹکاؤں اور لوگوں کو اسی کتاب پر عمل کرنے کے لئے ابھاروں، امام مالکؒ نے کہا۔ ایسا نہ کیجئے۔ خود اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فروع میں اختلاف تھا۔ اور وہ صحابہ مختلف دیار میں (باقی حاشیہ صفحہ ۶۳ پر)

امام موصوف کے متعلق حضرت عبداللہ[۵] بن مُبارک (جو خود بھی تفسیر حدیث وفقہ وقرات کے امام ہیں) کا بیان ہے، کہ امام مالکؒ مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ میں بھی درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ درس ہورہا تھا۔ اور امام مالکؒ حدیث بیان کررہے تھے، درس کے دوران میں متعدد دفعہ امام کا چہرہ متغیر ہوا اور زرد پڑ گیا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ کوئی سخت اذیت پہونچی لیکن امام موصوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) پھیل گئے۔ اور ہر ایک مسلمان نے کسی ایک صحابی کی تقلید کرکے اپنے لئے نجات کی راہ بنالی ہے۔ رئیس المحدثین امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو موطا کی صحت کی قسم کھا کر طلاق دے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ (اتحاف النبلاء ص ۱۶۴ ص ۱۶۵)

ان واقعات سے موطا امام مالکؒ کی صحت اور اس کے بلند رتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

---

[۵] الامام الحافظ عبداللہ بن مبارک الحنظلی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ سلیمان التیمی۔ عاصم الاحوال اور حمید الطویل وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔ خود امام ابن مبارکؒ فرماتے ہیں، کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سنی ہے۔ اور اب ایک ہزار شیوخ سے روایت کرتا ہوں، اور خود امام سے مختلف ملکوں کے بے شمار لوگوں نے حدیث کی سماعت کی ہے اس لئے کہ بچپن سے لے کر آخر عمر تک برابر سفر ہی کرتے رہے۔ حج بھی بہت کئے۔ متعدد جہادوں میں شریک ہوئے علم حدیث کے ساتھ اسقدر شغف تھا کہ علی بن حسن بن شقیق کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جاڑے کی رات میں عشاء کی نماز کے بعد امام ابن مبارکؒ کے ساتھ میں اٹھا، کہ مسجد سے باہر نکلوں، انھوں نے مسجد کے دروازے پر مجھے ایک حدیث یاد دلائی (باقی حاشیہ ۶۴ پر)

نے درس جاری رکھا۔ حدیہ کہ تکلیف کے باعث چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا مگر امام نے پہلو تک نہ بدلا۔ جس پہلو پر حدیث کا درس شروع ہوا تھا اسی پہلو پر ختم کیا۔ جب درس ختم ہوا۔ تو حضرت عبدُاللہ بن مُبارک نے عرض کی، کہ دورانِ درس میں میں نے آپ پر سخت تکلیف کا اثر محسوس کیا، وجہ کیا تھی؟ حجرہ سے واپس آکر امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایک بچھو کپڑے میں چلا گیا تھا۔ اور اس نے دس جگہ سے زیادہ ڈنک مارا۔ اسی تکلیف نے میرے چہرے کو متغیر کیا۔ عبدُاللہ بن مبارکؒ نے عرض کیا کہ تو پھر درس روک کر اُسے جھاڑ لیا جاتا۔ ایسی تکلیف برداشت کرنے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳) میں نے بھی ایک حدیث کا تذکرہ کیا۔ یہ تذکرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ مؤذن نے آکر صبح کی اذان دی۔

ایک دفعہ عبداللہ بن مبارکؒ کے معاصرین جمع تھے، کسی نے کہا کہ ابن مبارک کے اوصاف و فضائل بتاؤ۔ سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ابنِ مُبارک وہ شخص ہیں جن میں علم، فقہ، ادب، نحو، لغت، زہد، شجاعت، فصاحت، قیام لیل، حج، جہاد اور انصاف جمع ہو گیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے معاصرین کو اُن سے بہت ہی کم اختلاف ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ خدا کی قسم میں ابنِ مبارکؒ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں اور اُنکی محبت سے میں اپنے لئے خیر اور اجر کا امیدوار ہوں۔ اور میری یہ محبت اس لئے ہے کہ اللہ نے ان میں تقویٰ، عبادت، اخلاص، جہاد اور وسعتِ علم کو جمع کر دیا ہے۔

عبداللہ ابن مبارکؒ نے ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ)

ضرورت ہی کیا تھی۔ امام مالکؒ نے اس کا جو جواب دیا۔ وہ سُننے کے لائق ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت نے مجھ کو اجازت نہ دی کہ میں درس کو بند کردوں یا پہلو بھی بدل دوں ‘‘ (بستان ص۶)

امام مالکؒ کے دل و دماغ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت کے کیا اثرات تھے۔ اِس کا اندازہ اِس واقعہ سے ہوتا ہے کہ امام موصوف نے حالتِ مرض کے علاوہ تمام عمر حرم مدینہ میں قضائے حاجت نہیں کی۔ اور کبھی مدینہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا، کہ مجھ کو شرم آتی ہے۔ کہ جس مقدس سرزمین میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزارِ مُبارک ہو۔ اس زمین کو گھوڑے کے پیروں سے روندوں۔ (بستان ص۶،۷)

امام موصوف کو اوائل ہی سے علمِ حدیث کے ساتھ خاص محبّت تھی اور اِس علم کے حصُول میں ہر قسم کی قربانی کے لئے وہ تیار تھے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے تحصِیل علم کے زمانہ میں جو غربت کا دور تھا جب سب کچھ خرچ کر چکے اور کوئی چیز پاس نہ رہی تو گھر کے چھت کے شہتیر اور کڑیاں اکھاڑ اکھاڑ کر فروخت کیں۔ اور اس سے جو پیسے ملے اس کو تحصِیل علم میں صرف کیا۔ (بستان ص۵)

سہل ابنِ مزاحم (جو اپنے وقت کے مشہور شیوخ اور زاہدوں میں گذرے ہیں۔) فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک شب حضرت رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی میں نے عرض کی

یارسول اللہ آپ کا بابرکت زمانہ گذر چکا۔ اب اگر دینی مسائل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو کس کے پاس جائیں۔ ارشادِ نبویؐ ہوا کہ مالک بن انس سے پوچھ لیا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے موطا کو اِس قدر مقبول بنادیا کہ براہ راست امام مالکؒ سے اِس کتاب کے پڑھنے اور سننے والے تقریباً ایک ہزار ہیں، ہر طبقہ کے لوگ جس میں حکام وقت، روٴسا، فقراء، علماء سب ہی شریک ہیں۔ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور کم ازکم تبرکاً ہی موطا کی سماعت کرلیتے۔ (بستان ص۱۰۸)

حدیث کی ایک مشہور ترین کتاب بخاری شریف ہے، اِس کے جامع اور مرتب محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ ہیں۔ امام بخاریؒ کے فضائل ومناقب پر متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے موصوف کے بلند مراتب کا اندازہ ہوسکتا ہے، حامد بن اسمٰعیلؒ محدث جو امام بخاری کے ہم درس ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک شیخ کے پاس حدیث سننے جارہے تھے۔ ہم لوگوں کے پاس لکھنے کا سامان رہتا تھا۔ کہ شیخ سے جو حدیثیں سنیں۔ اس کو قلم بند کریں۔ لیکن امام بخاریؒ برابر خالی ہاتھ جاتے اور حدیثیں سن کر واپس چلے آتے۔ ہم لوگوں نے امام بخاریؒ سے کہا کہ لکھنے کا سامان آپ ساتھ نہیں لے جاتے۔ حدیثیں صرف سن لیتے ہیں قلمبند نہیں کرتے، تو پھر اس آنے جانے سے فائدہ ہی کیا۔ ہم برابر انھیں کہتے رہے، لیکن انھوں نے اپنا طریقہ نہیں بدلا۔ سولھویں روز جب امام بخاریؒ ہم لوگوں کی نہایتش سنتے سنتے عاجز آگئے، تو کہا کہ تم لوگوں

نے مجھ کو تنگ کر دیا۔ اچھا حدیثیں تم نے تو قلمبند کی ہیں۔ اور میں نے حافظہ میں محفوظ رکھی ہیں۔ تم اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لے آؤ، اور میرے حافظہ سے مقابلہ کر لو۔ حامد بن اسمٰعیلؒ کا بیان ہے کہ اتنے دنوں میں ہم لوگوں نے پندرہ ہزار حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ یہ تمام حدیثیں امام بخاریؒ نے زبانی پڑھنا شروع کیں۔ تو اس قدر صحیح یاد تھیں، کہ ہم لوگوں نے ان کی زبانی روایت سے اپنی لکھی ہوئی حدیثوں کی تصحیح کی۔ (بستان ص۱۱۲)

محدثین کرام کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اپنے رسول کے اقوال و افعال کے جمع و حفاظت ہی کے لئے مامور فرمایا تھا۔ اور قدرتی طریقہ پر ان میں وہ صلاحیتیں مہیا کی تھیں جو حفاظتِ حدیث کے لئے قدرتی عوامل کا کام کر سکیں۔ محدثین کی قوتِ حافظہ کے متعلق ایسے ایسے واقعات مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ جن سے حیرت ہوتی ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ موجودہ دنیا جو گھر کی بات باہر جا کر بھول جاتی ہے اس کو تو شاید ان واقعات پر یقین بھی مشکل سے آئے گا۔ مگر کسی کو یقین آئے نہ آئے، واقعہ تو بہرحال واقعہ ہے۔ خود امام بخاریؒ کی قوتِ یادداشت کا اندازہ آپ کو ذیل کے واقعہ سے ہو گا۔

مشہور مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے، کہ امام بخاریؒ بغداد آئے۔ بغداد والوں کو حدیث سے خاص ذوق تھا ہی، آمد کی خبر سن کر لوگ امام کا امتحان لینے کے لئے جمع ہوئے اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ

ایک سو حدیثوں کے متن اور اسناد دونوں میں اُلٹ پھیر کر دیا۔ اور ایک حدیث کی سند کو دوسری حدیث کے متن میں جوڑ دیا۔ اور اس طرح کی سَو حدیثیں دس اصحاب کے سپرد کیں۔ کہ ہر ایک شخص اس طرح کی دس حدیثیں امام بخاریؒ سے پوچھے۔ اور ایک خاص مجلس میں امام بخاریؒ کا امتحان شروع ہوا۔ ان دس اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور اس نے دس حدیثیں امام سے پوچھیں۔ امام نے جواب دیا۔ لا اعرفہ۔ (میں ان حدیثوں کو نہیں جانتا) دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے بھی دس حدیثیں پوچھیں۔ امام نے پھر وہی جواب دیا کہ لا اعرفہ اس طرح سب پوچھتے گئے۔ اور امام بخاریؒ وہی ایک جواب دیتے رہے جب دسوں اصحاب اپنے سوالات پوچھ چکے، اور ایک سَو حدیثیں ختم ہو گئیں۔ تو امام بخاریؒ اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے جس نے سب سے پہلے دس حدیثیں پوچھی تھیں۔ اور فرمایا کہ آپ نے جو پہلی حدیث اس طرح پڑھی تھی، وہ اس طرح ہے۔ اس کا متن یہ ہے اور اسناد یہ ہے۔ اس طرح پہلے سائل کی دسوں حدیثوں کو بتلایا پھر دوسرے پوچھنے والے کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور اس کو بتلایا۔ اسی طرح ترتیب کے ساتھ ان دسوں پوچھنے والوں میں سے ہر ایک کا جواب دیا۔ اس تعجب میں ڈالنے والے واقعہ کے بعد پورا بغداد جو اصحاب حدیث کا مرکز تھا۔ اُن کے علم و فضل اور قوت حافظہ کا قائل ہو گیا اسی لئے امام بخاریؒ محدثین کی جماعت میں امیر المومنین فی الحدیث کے

خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ (اتحاف النبلاء ص۳۴۹)

امام بخاری رح کے علوئے مرتبت کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ امام موصوف فرمایا کرتے تھے کہ میں امید رکھتا ہوں، کہ قیامت میں مجھ سے غیبت کے متعلق سوال نہ ہوگا، کیوں کہ میں نے آج تک کسی کی غیبت نہیں کی، غور کیجئے یہ معمولی تقویٰ نہیں پوری زندگی میں زبان پر کسی کی غیبت نہ آئے، یہ امام موصوف ہی کی خصوصیت ہے۔ (اتحاف النبلاء ص۳۵۱)

امام بخاری رح نے احادیث کے جمع کرنے میں، اور ہر ایک حدیث کی تحقیق میں۔ جس محنت وجانفشانی سے کام لیا ہے، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ بعض موقعہ پر امام موصوف نے صرف ایک حدیث یا کسی ایک حدیث کے کسی ایک راوی کی تحقیق اور جانچ کے لئے سینکڑوں میل پا پیادہ سفر کیا ہے، اور پوری تشفی ہوجانے کے بعد اس کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

بخاری شریف کی ترتیب کا ارادہ امام کے ذہن میں کیوں پیدا ہوا، اور کس اہتمام اور حسنِ نیت سے امام نے اس کو جمع کیا۔ وہ بھی سن لیجئے۔

خود امام بخاری رح کا بیان ہے کہ میں اسحاق[1] بن راہویہ محدث

---

[1] اسحاق بن راہویہ مشہور محدث اور امام بخاری کے استاد ہیں ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن عباس نے لکھا ہے کہ اسحٰق اپنے زمانہ میں علمِ حدیث، فقہ اور (باقی حاشیہ صفحہ ۷۰ پر)

کی مجلس میں حاضر تھا۔ کسی نے محدث موصوف سے عرض کیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے کہ وہ ایک مختصر سی کتاب حدیث میں ترتیب دے اور اس میں صرف ان ہی حدیثوں کو لکھے، جو صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، تو کیا اچھا ہو، امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسی ہی کتاب مرتب کرنی چاہئے۔ چنانچہ میں نے ان احادیث کا انتخاب شروع کیا، جن کی صحت کا معیار نہایت اعلیٰ ہے۔ اور پھر امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔

ما وضعت فی کتابی الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذالک وصلیت رکعتین۔ (تہذیب جلد ۹ ص ۴۹)	کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی درج نہ کی جس کے لکھنے سے پہلے غسل نہ کیا ہو، اور دو رکعتیں نہ پڑھ لی ہوں۔

چنانچہ اس اہتمام اور حسنِ نیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کو شرف قبول بخشا، اور دنیا کی نگاہوں میں یہ کتاب اس درجہ مقبول ہوئی۔ کہ خود امام بخاریؒ سے براہ راست اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹) حفظ روایات کے امام تھے۔ امام ابو داؤدؒ اور خفافؒ کا بیان ہے۔ اسحٰق نے ہم لوگوں کو محض حافظہ سے گیارہ ہزار حدیثیں لکھوائیں۔ اور ہمارے لکھے ہوئے کی تصحیح کے لئے دوبارہ ان تمام حدیثوں کو پڑھا۔ تو نہ ایک حرف زیادہ ہوا نہ کم [illegible] وصال ہوا ستتر برس عمر پائی۔ (تہذیب جلد ۱ ص ۲۱۶ تا ۱۹)

کتاب کو نوّے ہزار اشخاص نے پڑھا۔ اور اجازت حاصل کی، اور امام کے بعد ہر عصر و زمانہ میں اس کی مقبولیت کا یہی عالم رہا ہے اور آج بھی یہی حال ہے۔

بخاری شریف کی حیثیت اور اس کے بلند پایہ اور صحیح ترین کتاب ہونے کا اندازہ ایک اور واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

ابو زید محمد بن احمد مرزوی کا بیان ہے کہ میں خانہ کعبہ میں رکن و مقام کے درمیان سویا ہوا تھا، کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضور نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابو زید شافعی کی کتاب کب تک پڑھاتے رہو گے، میری کتاب کیوں نہیں پڑھاتے، میں نے پریشان ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں آپ پر قربان! آپ کی کتاب کونسی ہے۔ ارشاد ہوا جامع محمد بن اسمٰعیل بخاری۔ امام الحرمین سے بھی اس قسم کا خواب بخاری شریف کے متعلق منقول ہے۔ (بستان ص۱۱۵)

امام بخاریؒ کی نگاہوں میں علم حدیث اتنا ہی معزز اور محترم تھا کہ اس کی خاطر انھوں نے گھر بار چھوڑا۔ جلا وطنی اختیار کی، مگر اس علم کی عزت و حرمت کو باقی رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانہ میں خالد بن احمد ذیلی بخارا کے امیر (حاکم) تھے۔ خالد نے امام بخاریؒ سے کہلا بھیجا کہ ہمارے یہاں آکر ہمارے لڑکوں کو بخاری شریف کا درس دے دیا کریں۔ امام نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے اس کو میں

ذلیل نہیں کرسکتا، اگران کو پڑھانا ہے، تو اپنے لڑکوں کو ہمارے حلقہ درس میں بھیجدیا کریں۔ دوسرے طلبار کی طرح وہ بھی پڑھا کریں گے۔ امیر بخارا نے کہلا بھیجا کہ اگر یہی ہے۔ تو میں اپنے لڑکوں کو سپاہیوں اور چوبداروں کے ساتھ بھیجدیا کروں گا۔ لیکن اس وقت دوسرے طلبار کو ہٹا دیا جائے، اور صرف ہمارے لڑکوں کو درس دیا جائے۔ لیکن امام بخاری رح نے اس کو بھی منظور نہیں کیا، اور جواب کہلا بھیجا کہ علم حدیث رسول اللہ صلعم کی میراث ہے۔ جس میں پوری اُمت حصّہ دار ہے۔ کسی ایک کی جاگیر نہیں۔ اس گفت وشنید سے امیر بخارا کے دل میں کدورت پیدا ہوئی، اور کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنے ہی پاس ایک محضر نامہ پیش کرایا۔ جس میں امام بخاری رح کے مسلک واجتہاد پر طعن و اعتراضات تھے۔ اور اسی بنیاد پر امام کو خارج البلد کردیا۔ امام بخاری رح نے حسرت ویاس کے ساتھ جلاوطنی کی زندگی اختیار کی اور بالآخر سمرقند کے پاس خرتنگ نامی ایک گاؤں میں قیام کیا، اور وہیں وصال فرمایا۔ (بستان ص۱۱۴)

عبدالواحد طوسی رح کا جو اکابر صلحاء امت میں ہیں۔ بیان ہے کہ میں نے ایک روز خواب میں دیکھا۔ کہ رسول اللہ صلعم صحابۂ کرام رض کے ساتھ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے سلام کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ کس چیز کا انتظار ہے۔ ارشاد ہوا۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری رح کے آنے کا۔ حضرت طوسی رح فرماتے ہیں، کہ چند روز کے بعد امام بخاری رح

کے وصال کی خبر ملی۔ جب میں نے تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے وصال کا وقت ہی تھا۔ جس وقت میں نے خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا تھا۔ (بستان ص۱۱۴)

اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جن کتابوں کے مصنفین اور جامعین کا یہ حال ہو، اور جو حضرات نہ صرف اپنے علم وفن میں بلکہ تقویٰ وطہارت وخلوص وللّٰہیت میں بھی اپنی مثال آپ ہوں اگر ایسے حضرات کی کتابیں قابلِ اعتماد ولائقِ استناد نہ ہوں گی۔ تو دُنیا میں کس کی تصنیف لائقِ اعتبار ہوسکتی ہے؟ اگر آپ دُنیا میں کسی کی تصنیف پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں، تو اس مصنّف کی سوانح اور حالاتِ زندگی کو سامنے رکھئے۔ اور پھر حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ اس کے بعد آپ آسانی سے رائے قائم کرسکیں گے کہ کون سی کتابیں قابل اعتبار ہیں۔ آخر کسی کتاب کے قابلِ اعتبار اور ناقابلِ اعتبار ہونے کا فیصلہ تو ان ہی طریقوں سے کیا جاسکتا ہے، کسی مصنّف کی پیشانی پر تو لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ اس کے قلم سے جو کتاب بھی نکلے گی، وہ بھروسہ کے لائق ہوگی۔ اگر اس قسم کا کتبہ لکھا ہوا بھی ہو، تو گذرے ہوئے مصنفین کی پیشانی دیکھنے کی کیا شکل ہوگی، سوائے اس کے کہ اچھے لوگوں کے بیانات پر اور سچے لوگوں کی تصنیفات پر اعتماد کیا جائے۔

کس قدر صدمہ کی بات ہے کہ وہ قومیں جن کے ماضی کو امتداد

زمانہ نے اس قدر تاریک بنا دیا ہے۔ کہ قیاس، حسنِ ظن اور خوش فہمی کی تیز شعاعیں بھی اس کو روشن نہیں کر سکتیں۔ وہ لوگ تو محض من گھڑت قصّوں، جھوٹے افسانوں اور بے بنیاد قیاس آرائیوں سے اپنے ماضی کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں اور ایسے قصّوں اور حکایتوں کو جس کے لئے ان کے پاس کوئی ثبوت اور سند نہیں ہے۔ ایک الہامی واقعہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں، کہ اپنے روشن ترین ماضی کو تاریک بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تاریخ کے ایسے ذخیرہ کو جس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی قوم اس سے زیادہ مستند ذخیرہ پیش نہیں کر سکتی بلا کسی بنیاد کے ناقابلِ اعتبار قرار دے رہے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ دنیا میں ہزاروں قابلِ ذکر شخصیتیں گذری ہیں، جن کے حالات کا تھوڑا بہت ہمیں علم ہے۔ لیکن کیا ان قابلِ ذکر اشخاص میں سے کسی ایک شخص کا کوئی ایک واقعہ بھی مسلسل سند کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے؟ ان کا علم تو ہمیں اسی طریقہ پر ہوا ہے۔ کہ کسی کتاب میں ان کا اور ان کے حالات کا ذکر ہے۔ اور وہ کتاب کسی مصنّف کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اس کا کیا ثبوت ہے، کہ وہ کتاب اسی مصنّف کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اگر یہ نسبت صحیح بھی ہو تو اس کی کیا دلیل ہے۔ کہ جو حالات اس کتاب میں لکھے گئے ہیں۔ وہ صحیح ہیں۔ لیکن یہ شرف و فضل صرف محمد رسول اللہ صلعم کو حاصل ہے کہ آپ کی زندگی کے تمام واقعات اور حالات اُٹھنا بیٹھنا کھانا

پہنیا غرضیکہ ہر نقل وحرکت مسلسل سند کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جس کا سلسلہ ہم سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس صحابی پر ختم ہوتا ہے جس نے اس واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سُنا تھا۔

اگر بخاریؒ اور مسلمؒ وغیرہ کی مسلسل اور مستند روایات کو شک اور شبہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے، اور ایسی معتمد کتابوں کو ناقابلِ وثوق قرار دیا جا سکتا ہے۔ تو تاریخ کے پورے ذخیرہ کا کیا حال ہوگا۔ اور تاریخ کی کتابیں جن کی بنیاد پر آج قومیں اپنے مستقبل کی تعمیر کر رہی ہیں، کیونکہ معتبر سمجھی جائیں گی۔ اور جب حدیث کا ایسا مستند اور معتبر ذخیرہ اعتماد کے قابل نہیں ہے، تو زمانۂ قدیم کے متعلق جو حالات وواقعات بھی ہم تک پہونچے ہیں، کیا سب کے سب نذرِ آتش کر دینے کے لائق نہیں ہیں؟ اور جب شکوک وشبہات کی رسائی اتنی دُور تک ہے، تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ بنو اُمیّہ کی حکومت دُنیا میں کبھی قائم نہیں ہُوئی۔ عباسیوں کا وجود کسی زمانہ میں بھی نہ تھا۔ ہلاکو خاں کا افسانہ عورتوں نے بچّوں کو ڈرانے کے لئے گھڑ لیا تھا۔ اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کے مقابلہ میں آپ کیا کہہ سکیں گے؟

حدیث کی جن کتابوں کو آپ ناقابلِ اعتماد سمجھتے ہیں، اوّل تو ان کتابوں کو ترتیب دینے والوں کی شخصیتیں انتہائی روشن ہیں اور دیانت وتقویٰ اور راستبازی کے اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کی حامل ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ چیز سوچی بھی نہیں جا سکتی کہ انھوں نے

قصداً کوئی بے بنیاد روایت وضع کرکے اپنی کتاب میں درج کر دی ہوگی۔ اور پھر اِن حضرات محدثین نے ہر ایک روایت کی سند بھی اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ جو صاحب کتاب سے شروع ہوتی ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ اور درمیان کے تمام راویوں کا نام لکھ کر بعد میں اصل حدیث کے متن کو لکھا ہے۔ اور ان راویوں کے حالات کی تحقیق و تفتیش میں ہزاروں محدثین نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کی ہیں اور انتہائی جانفشانی اور محنت سے سینکڑوں میل کا پاپیادہ سفر کرکے ان کے حالات کا پتہ لگایا ہے۔ اور اُسے قلمبند کیا ہے، اور یہ سُراغ رساں اپنے کام میں ایسے مستعد اور اپنی جانچ کے اصولوں میں اتنے سخت تھے، کہ ان کی تنقید اور جرح سے بڑے بڑے ائمہ دین بھی نہ بچ سکے۔ حتیٰ کہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح پر بھی انھوں نے سخت سے سخت تنقید کی۔ اصحاب جرح و تعدیل نے اپنے اصول پر ہر ایک راوی کو پرکھا ہے۔ خواہ وہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے کتنے ہی اونچے مقام کا مالک کیوں نہ ہو۔ انھوں نے کسی کو معاف نہیں کیا۔ اس تنقید و جانچ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں ہزار انسانوں کی سوانح مرتب ہوگئی، جس کا نام محدثین کی اصطلاح میں اسماء الرجال ہے۔ آج بھی سینکڑوں کتابیں اس فن کی موجود [illegible] جن میں حدیث کے راویوں کا حال قلم بند ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر [illegible] کے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ

"نہ کوئی قوم دُنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔" (سیرۃ النبی جلد اوّل صـ۳۵)

محدثین رحمہم اللہ نے صرف حدیث کی کتابیں ہی نہیں لکھیں، بلکہ اسماء الرجال کے ایسے فن کو مُرتب کرکے ہر ایک حدیث کے جانچنے کی کسوٹی بھی ہمارے ہاتھ میں دے دی ہے، کہ آج بھی ہر شخص ہر حدیث اور اس کے ہر ایک راوی کو جانچ سکتا ہے، کہ وہ حدیث یا فلاں راوی قوت وضعف کے لحاظ سے کس مرتبہ پر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات محدثین علیہم الرحمۃ کا پوری اُمّت پر اتنا بڑا احسان ہے جس سے کبھی ایک مسلمان سُبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُن کی قبروں پر اپنی رحمت برسائے۔ کہ انھوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ کے عہد کے تمام حالات کا ایسا مستند ذخیرہ جمع کیا۔ جس کی نظیر دُنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اِن ہی محدثین کا طفیل ہے، کہ اُمّتِ مسلمہ اپنے رسول کے دامن سے وابستہ ہے۔ اور رسول اللہ کا وہ اُسوہ جس کی پیروی ہم پر فرض کی گئی ہے۔ اسی حدیث کے ذریعہ ہم کو معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں رسُولؐ کی بعثت کے مقاصد اور مصالح بتلاتے ہوئے کہا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ

(القرآن سورہ جمعہ)

وہ اللہ جس نے امیین میں اپنے ہی میں سے رسول بنا کر بھیجا۔ تاکہ تلاوت آیات کرے لوگوں کا تزکیہ کرے۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر محدثین کرام نے جمع ترتیب احادیث کی بیش بہا خدمت انجام نہ دی ہوتی، تو آج ہمارے پاس رسول اللہ صلعم کا طریق تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب اور درس حکمت نہ ہوتا۔ اور بعثت رسل کے یہ مقاصد محض رسول کی زندگی تک محدود ہو کر رہ جاتے اور بعد میں آنے والی نسل ان سے محروم رہتی۔ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے لئے رسول تھے۔ اسی طرح قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے بھی رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات محدثین کو جمع احادیث کے لئے مامور فرمایا، اور اس طرح قیامت تک کے لئے امت کا رشتہ اپنے رسول سے قائم کر دیا۔

سوال میں موجودہ کتب حدیث کے ناقابل اعتبار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے، کہ احادیث میں اختلاف ہے بعض صحیح ہیں بعض ضعیف، اس لئے موجودہ کتب حدیث لائق اعتبار نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے۔ بعض حدیثیں قوی ہیں

بعض ضعیف بھی، لیکن احادیث کے قوی اور ضعیف ہونے سے حدیث کی موجودہ کتابیں کیوں کر ناقابلِ اعتبار ہو جائیں گی۔ کتبِ حدیث کے مصنفین نے تو یہ کیا ہے، کہ ان کے معیارِ تحقیق پر جو حدیث صحیح اُتری اس کو صحیح، اور جو ضعیف نکلی اس کو ضعیف لکھ دیا ہے، یہ صورت حال تو کتاب کے مستند اور قابلِ اعتماد ہونے کی خود ایک کھلی شہادت ہے۔ کہ انھوں نے کسی حدیث کے سقم اور ضعف پر پردہ نہیں ڈالا، بلکہ صاف صاف لکھ دیا، کیا سائل کے خیال میں موجودہ کتب حدیث اُس وقت قابلِ اعتبار ہوتیں، کہ جب قوی اور ضعیف کی نشان دہی نہ کی جاتی اور سب کو ملا کر لکھ دیا جاتا۔

اب رہا احادیث میں باہم اختلاف اور تعارض کا معاملہ، تو یہ ایک مستقل موضوعِ بحث ہے۔ جس کا چھیڑنا اس وقت ضروری نہیں، لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا، کہ ہر حدیث اپنے متن اور رُواۃ کے لحاظ سے دوسری حدیث سے علیحٰدہ ہے۔ اس لئے ہر ایک حدیث پر الگ الگ غور کرنا چاہیے۔ سب کو ایک ساتھ ملا کر دیکھنا اور چند حدیثوں کے باہمی اختلاف و تعارض یا بعض احادیث کے ضعف کی بنا پر پورے مجموعۂ حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دینا نہ عقل کا فیصلہ ہے، نہ دیانت کا۔ اور جیسا کہ میں نے اوپر اشارۃً عرض کیا ہے، کہ محدثین کرامؒ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ہر ایک حدیث کی الگ الگ جانچ کی ہے، جو دُنیا کی تاریخ میں آج تک کسی واقعہ یا کسی شخص کے حالات کے متعلق نہیں کی گئی، اور

تنقیدِ رواۃ اور تنقیحِ احادیث کے وہ اصول مقرر کئے ہیں جن سے بہتر اصول انسانی عقل سوچ نہیں سکتی۔ جن کے ذریعہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی معلوم ہوجاتا ہے۔ ان ہی اصولوں کے ذریعہ اختلافی احادیث میں راجح پہلو بآسانی معلوم ہوجاتا ہے، اور اسی تنقید و تنقیح کے ذریعہ انھوں نے احادیث کے ذخیرہ سے مرجوح اور ضعیف حدیثوں کو چھانٹ لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات محدثین کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کی حفاظت ہی کے لئے پیدا کیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام کی حفاظت کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے۔ اسی طرح اپنے آخری نبیؐ کے آخری نقوش و ہدایات کی صیانت کے لئے بھی محدثین کے ہاتھوں ایسا نظم فرمایا جو اپنی مثال آپ ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خانقاہ رحمانی

مونگیر

منت اللہ رحمانی

۱۶ر نومبر ۱۹۵۰ء